عوام الناس کے صدر

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام

ایس۔ایم۔خان

مترجم سید وجاہت مظہر

عوام الناس کے صدر

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام

ایس۔ایم۔خان

مترجم

سید وجاہت مظہر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9 انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	2017
تعداد	:	550
قیمت	:	-/125 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1959

Awamunnas Ke Sadr

Dr APJ Abdul Kalam

By: S.M.Khan

Translated by: Syed Wajahat Mazhar

ISBN :978-93-5160-199-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066 فون نمبر: 26109746

فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: سلا سار امیجنگ سسٹمس، ڈی 31، ایس ایم اے انڈسٹریل ایریا، نزد جہانگیر پوری میٹرو اسٹیشن، دہلی۔110033

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, Natural Color کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائریکٹر

انتساب

والدِ محترم پروفیسر محمد اقبال خان ایڈووکیٹ (مرحوم)

اور

والدۂ محترمہ روشن آرا بیگم کے نام

فہرست

	ابتدائیہ	ix
	دیباچہ	xi
1	راشٹر پتی بھون میں ڈاکٹر کلام کے ابتدائی دن	1
2	اندرونِ ملک دورے	11
3	مردِ باہمت	31
4	قانونی وآئینی مسائل	39
5	عوام الناس کے صدر	53
6	انسان دوست	61
7	پارلیمانی اراکین کے ساتھ مکالمے	73
8	بچوں سے محبت: طالب علموں کے لئے ایک مثالی شخصیت	79
9	لوک سبھا انتخابات 2004 اوراس کے سیاسی مضمرات	97
10	دوسری مدتِ کار کی پیشکش	105

11 وطن کی خیر سگالی کے بین الاقوامی سفیر 113
(الف) بیرونی ممالک کے دورے 113
(ب) بیرون ممالک کے سربراہانِ مملکت کی ہندوستان آمد پر صدر کلام سے ملاقاتیں 129
12 ڈاکٹر کلام اور ذرائع ابلاغ 137
13 عہدِ مابعدِ صدارت 151
اظہارِ تشکر 165

ابتدائیہ

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام تاریخ ہند میں عوام الناس کے صدر کی حیثیت سے اپنا منفرد مقام بنا چکے ہیں۔مگر میرے لئے وہ ہمیشہ ایک برادرِ خُرد ہی رہے، جن سے میں بہت محبت کرتا تھا۔انھوں نے اپنی زندگی کا کوئی بھی بڑا فیصلہ مجھے بتائے بغیر نہیں کیا سوائے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں اپنے کاموں سے فارغ ہونے کو کہا۔اب جب کہ میں ان کے بغیر زندگی کا ایک سال پورا کرنے والا ہوں، میرا دل ان کے خیالات سے بھر جاتا ہے اور میری آنکھیں، اپنا سوواں سال پورا کرنے پر بھی نم رہیں گی۔

میرے بھائی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ بڑے احترام کا سلوک روا رکھتے تھے۔جناب ایس ایم خاں ،گیارہویں صدرِ ہند کے پریس سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے۔انھیں بھی بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، میرے بھائی انھیں خلوص کے ساتھ ''خان صاحب'' کہا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ ادائیگیِ حج کے لئے میرے بھائی نے میرے ساتھ میری بیٹی اور نواسی کو بھی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔انھوں نے میرے نواسے کو مسٹر خان کے گھر جا کر ملنے کو کہا۔انھوں نے حج سے متعلق بڑے اہم مشورے دیے۔مسٹر خان نے میرے بھائی کو ذرائع ابلاغ اور سیاست سے متعلق، ہمیشہ بصیرت افروز معلومات بہم پہنچائیں۔مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ انھوں نے میرے بھائی کی زندگی پر ایک الگ زاویۂ نگاہ سے لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

یہ کتاب ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کو عوام الناس کے صدر، یکجہتی کے علم بردار، سائنسداں ساتھی، دوست، رہبر اور ایک عام انسان کے طور پر پیش کرتے ہوئے ان کی زندگی کے چند یکتہ و یگانہ رُوزگار حقائق کو منظر عام پر لاتی ہے۔ مسٹر خان میرے بھائی کے گھریلو نوعیت کے معاملات سے بھی منسلک ہو گئے تھے جس میں رامیسورم سے خاندان کے اراکین کا یہاں آنا بھی شامل تھا۔ یہ کتاب راشٹر پتی بھون میں ہماری آمد کے واقعے کا تذکرہ بھی بہت مثبت انداز میں پیش کرتی ہے۔ ہمارے خاندان کے پانچ پیڑھیوں پرمبنی 53 افراد بھائی کے مدعو کرنے پر دہلی آئے تھے۔ جتنا میرے بھائی نے خاندان کے ہر ایک رکن کا فرداً فرداً خیال رکھا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے عملے نے بھی جس میں مسٹر خان بھی شامل تھے، ہمیں ذرا بھی اجنبی محسوس نہیں ہونے دیا۔

بچوں اور طالب علموں سے میرے بھائی کی گہری وابستگی ایک کھلی حقیقت ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دنیا کو بدلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ نئی نسل کو اس کی ترغیب دی جائے۔ ان مستقبل کے معماروں کے ساتھ اپنا وقت گزارنے سے انھیں لگتا تھا کہ اس ملک کو ترقی یافتہ قوم بننے میں مدد ملے گی۔ کتاب کے ایک باب میں اس حقیقت کو سوال جواب کے سیشن کے تذکرے کی شکل میں بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مجھے یاد ہے، جب میرے بھائی سے پوچھا گیا تھا: ''دنیا کا سب سے پہلا سائنسداں کون ہے؟'' تو انھوں نے فوری طور پر جواب دیا تھا: ''بچہ''۔

یہ کتاب اے پی جے عبدالکلام کے عرصۂ صدارت اور ان کے عہدِ مابعدِ صدارت کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب سے، بہت سے نوجوان ذہنوں کو اپنے مستقبل کی تعمیر و تشکیل کرنے میں بڑی ترغیب ملے گی۔ میں، مسٹر خان کی آئندہ زندگی میں کامیابی و کامرانی کے لئے دعا گو ہوں۔

اے۔پی۔جے۔ایم۔مراکائیر
1 جولائی 2016، رامیسورم
اے پی جے عبدالکلام انٹرنیشنل فاؤنڈیشن،
ہاؤس آف کلام
12/7، موسک اسٹریٹ، رامیسورم۔623526
رام ناڈ ڈسٹرکٹ۔تمل ناڈو، انڈیا

دیباچہ

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی زندگی اور کارناموں کو کسی ایک کتاب میں پیش کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے میں نے، اس کتاب میں ان کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں اور بحیثیت صدرِ ہند ان کی مدتِ کار کی عکاسی کرنے کی سعی کی ہے کہ جس نے انھیں اہلِ وطن کے لئے ایک مثالی کردار بنا دیا۔ ڈاکٹر کلام ملک کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز صدر رہے ہیں۔ انھوں نے عام لوگوں کے لئے راشٹر پتی بھون کے دروازے کھول دیے تا کہ وہ سب ان کے ساتھ اپنی خوشیاں اور غم بانٹ سکیں۔

پریس سکریٹری کے طور پر جوائن کرنے کے بعد ان سے پہلی ملاقات ہی میں انھوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ "میں راشٹر پتی بھون کو ہندوستان کی عوام الناس کے لئے ایسا ٹھکانا بنانا چاہتا ہوں، جہاں ملک کے لاکھوں مفلوک الحال لوگوں کی آواز سنی جائے اور اس پر ایکشن ہو۔" دراصل وہ اس اعلیٰ منصب پر بنا کسی ذاتی مفاد کو ذہن میں رکھے، محض ملک کی خدمت کرنے کے لئے ہی یہاں آئے تھے۔ وہ ایک ایسا دلکش مجسمہ تھے جسے ہر ہندوستانی پیار کرتا تھا اور ستائش کرتا تھا۔ ڈاکٹر کلام ملک کے عوام، بالخصوص نوجوان نسل کی امیدوں اور آرزوؤں کی علامت بن گئے تھے۔ بعد از مرگ بھی وہ آج کروڑوں ہندوستانیوں کے لئے ایک شمعِ ہدایت ہیں۔

انھوں نے اپنی خواہش کے عین مطابق طلبا کو درس دیتے ہوئے اور '2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان' کے اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے ہی اپنی آخری سانسیں لیں۔ وہ اسی انداز میں، جیسا کہ ان کی دیرینہ خواہش تھی، یعنی حالتِ عمل میں اور ملک کی خدمت کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ 27 جولائی 2015 کو انھوں نے داغِ مفارقت دیا تو کشمیر سے کنیا کماری تک پورا ملک غم واندوہ میں ڈوب گیا۔ لوگوں کا جمِ غفیر، ملک بھر سے اور زندگی کے ہر شعبے سے، مادرِ وطن کے اس مہان سپوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور چشمِ نم سے ان کے جسدِ خاکی کو وداع کرنے کے لئے اُمڈ پڑا۔ ان کی مٹی کا سفرِ آخر، شیلانگ سے شروع ہو کر نئی دہلی اور مدُرائی سے گزرتے ہوئے رامیسورم پہنچ کر پورا ہوا۔ یہی مقام ان کی جائے پیدائش رہا ہے اور یہیں ان کا جسدِ خاکی 30 جولائی 2015 کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ وہ صحیح معنوں میں بھارت کے ایک جیالے بیٹے تھے۔ ملک اس زیاں پر سوگوار ہوا اور ان کے احترام و عقیدت میں جس والہانہ انداز میں اپنے جذبات و احساسات کا ملک نے مظاہرہ کیا وہ بے نظیر تھا۔ میرے لئے یہ ایک گہرا جذباتی صدمہ تھا۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کا خیال، گذشتہ برس، راشٹر پتی بھون میں منعقد یومِ آزادی کی تقریب کے دوران آیا۔ میں عزت مآب وزیرِ اعظم شری نریندر مودی سے وہاں ملا۔ جب میں نے انھیں مبارکباد دی تو انھوں نے کہا، "کلام صاحب پر کچھ لکھیے۔" ان کے یہ الفاظ میرے لیے باعثِ ترغیب بن گئے اور میں نے سوچا کہ ڈاکٹر کلام پر ایک کتاب لکھنا ہی میری جانب سے بہترین اظہارِ عقیدت ہوگا۔ فوراً ہی اس کے بعد اسی جگہ پر معروف صحافی اور میری معزز دیرینہ دوست محترمہ کلیانی شنکر ملیں اور انھوں نے بھی وہی مشورہ دیا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ معروف بلومسبری پبلیشنگ ہاؤس ڈاکٹر کلام پر ایک کتاب کی اشاعت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کتاب کو تحریر کرنے کے لیے آپ مناسب ترین انتخاب ہیں۔ لہٰذا انھوں نے بلومسبری کے مینیجنگ ڈائرکٹر شری راجیو بیری اور ان کے ساتھی شری پروین تواری کو مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لیے وہ مجھ سے ملیں۔ اس طرح، اس کتاب کو لکھنے کی راہ کھل گئی اور 2016 میں یوں میری کتاب 'پیپلس پریزیڈینٹ' منظرِ عام پر آ گئی اور ملک بھر میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ لہٰذا بعض احباب نے میری اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اہلِ اردو تک پہنچانے کا مشورہ دیا تو ان کے جذبۂ خلوص کو محسوس کرتے ہوئے، کتاب کے

اردو ترجمے کی ضرورت اور افادیت کا احساس مجھے شدت سے ہونے لگا مگر اپنے عہدے کی ذمے داریوں اور دیگر مصروفیات کے باعث عملی طور پر ترجمہ کے لئے وقت نکالنا یا ازسرِنو کتاب کو اردو زبان میں تحریر کرنا دشوار مرحلہ تھا۔ لہٰذا ترجمے کا کام اردو کے ہونہار اسکالر سید وجاہت مظہر کو سونپا گیا، جنھوں نے بڑی حسن وخوبی اور برق رفتاری کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔ میں ان کے روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہوں۔

ہندوستان کا صدر، ملک کا آئینی سربراہ ہوتا ہے اور آئین کے تحت وہ وسیع اختیارات کا مجاز بھی ہوتا ہے۔ لیکن صدر، مرکزی مجلسِ عاملہ کے سربراہ کے طور پر اپنے بیشتر عملی اختیارات وزیرِ اعظم کی رہنمائی میں کونسل آف منسٹرس کی مدد اور صلاح سے نافذ کرتا ہے۔ ڈاکٹر کلام نے حکومت کی حکمتِ عملیوں اور فیصلوں میں تب تک مداخلت نہیں کی جب تک کہ وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے ہوں کہ آئینِ ہند کی بقا، تحفظ اور دفاع کے لئے یہ ناگزیر نہ ہو۔

ڈاکٹر کلام لوگوں کے تصور میں خصوصاً ملک کے نوجوانوں کے دلوں میں آج بھی چھائے ہوئے ہیں۔ خلائی اور میزائل سائنسدانوں کی بڑی تعداد کے لئے وہ آج بھی ایک مثالی شخصیت کے حامل ہیں، جو انتہائی عقیدت ویکسوئی کے ساتھ خلائی اور میزائل ٹکنالوجی کے میدان میں ملک کے لئے نئی منزلیں طے کرنے کے ان کے وژن کو پورا کرنے میں منہمک ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر کلام نے دنیاوی معنوں میں کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھوڑی تھی کیونکہ انھوں نے کچھ جمع کیا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی عمارت تعمیر کرائی تھی اور نا ہی کوئی ملکیت ان کے پاس تھی، لیکن انہوں نے علم کا ایک وسیع سمندر اور ہندوستان کی ترقی کے وژن پر کام کرنے کے لئے قوم کے نوجوانوں کو ایک قومی نصب العین عطا کیا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے ساتھ اپنی عمرِ عزیز کے پانچ برس تک کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ تجربہ میری زندگی کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور رہے گا۔

ایس۔ ایم۔ خان

11 وطن کی خیر سگالی کے بین الاقوامی سفیر 113
(الف) بیرونی ممالک کے دورے 113
(ب) بیرون ممالک کے سربراہانِ مملکت کی ہندوستان آمد پر صدر کلام سے ملاقاتیں 129
12 ڈاکٹر کلام اور ذرائع ابلاغ 137
13 عہدِ مابعدِ صدارت 151
اظہارِ تشکر 165

ابتدائیہ

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام تاریخ ہند میں عوام الناس کے صدر کی حیثیت سے اپنا منفرد مقام بنا چکے ہیں۔مگر میرے لئے وہ ہمیشہ ایک برادرِ خُردہی رہے،جن سے میں بہت محبت کرتا تھا۔انھوں نے اپنی زندگی کا کوئی بھی بڑا فیصلہ مجھے بتائے بغیر نہیں کیا سوائے جب اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں اپنے کاموں سے فارغ ہونے کو کہا۔اب جب کہ میں ان کے بغیر زندگی کا ایک سال پورا کرنے والا ہوں،میرا دل ان کے خیالات سے بھر جاتا ہے اور میری آنکھیں،اپنا سوواں سال پورا کرنے پر بھی نم رہیں گی۔

میرے بھائی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ بڑے احترام کا سلوک روا رکھتے تھے۔جناب ایس ایم خاں ،گیارہویں صدرِ ہند کے پریس سکریٹری کے عہدے پر فائز تھے۔انھیں بھی بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا،میرے بھائی انھیں خلوص کے ساتھ ''خان صاحب'' کہا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ ادائیگی حج کے لئے میرے بھائی نے میرے ساتھ میری بیٹی اور نواسی کو بھی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔انھوں نے میرے نواسے کو مسٹر خان کے گھر جا کر ملنے کو کہا۔انھوں نے حج سے متعلق بڑے اہم مشورے دیے۔مسٹر خان نے میرے بھائی کو ذرائع ابلاغ اور سیاست سے متعلق، ہمیشہ بصیرت افروز معلومات بہم پہنچائیں۔مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ انھوں نے میرے بھائی کی زندگی پر ایک الگ زاویۂ نگاہ سے لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

یہ کتاب ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کو عوام الناس کے صدر، یکجہتی کے علم بردار، سائنسداں ساتھی، دوست، رہبر اور ایک عام انسان کے طور پر پیش کرتے ہوئے ان کی زندگی کے چند یکتہ و یگانہ روزگار حقائق کو منظر عام پر لاتی ہے۔ مسٹر خان میرے بھائی کے گھریلو نوعیت کے معاملات سے بھی منسلک ہو گئے تھے جس میں رامیسورم سے خاندان کے اراکین کا یہاں آنا بھی شامل تھا۔ یہ کتاب راشٹرپتی بھون میں ہماری آمد کے واقعے کا تذکرہ بھی، بہت مثبت انداز میں پیش کرتی ہے۔ ہمارے خاندان کے پانچ پیڑھیوں پر مبنی 53 افراد بھائی کے مدعو کرنے پر دہلی آئے تھے۔ جتنا میرے بھائی نے خاندان کے ہر ایک رکن کا فرداً فرداً خیال رکھا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے عملے نے بھی جس میں مسٹر خان بھی شامل تھے، ہمیں ذرا بھی اجنبی محسوس نہیں ہونے دیا۔

بچوں اور طالب علموں سے میرے بھائی کی گہری وابستگی ایک کھلی حقیقت ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دنیا کو بدلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ نئی نسل کو اس کی ترغیب دی جائے۔ ان مستقبل کے معماروں کے ساتھ اپنا وقت گزارنے سے انھیں لگتا تھا کہ اس ملک کو ترقی یافتہ قوم بننے میں مدد ملے گی۔ کتاب کے ایک باب میں اس حقیقت کو سوال جواب کے سیشن کے تذکرے کی شکل میں بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مجھے یاد ہے، جب میرے بھائی سے پوچھا گیا تھا، ''دنیا کا سب سے پہلا سائنسداں کون ہے؟'' تو انھوں نے فوری طور پر جواب دیا تھا، ''بچہ''۔

یہ کتاب اے پی جے عبدالکلام کے عرصۂ صدارت اور ان کے عہد مابعد صدارت کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب سے، بہت سے نوجوان ذہنوں کو اپنے مستقبل کی تعمیر و تشکیل کرنے میں بڑی ترغیب ملے گی۔ میں، مسٹر خان کی آئندہ زندگی میں کامیابی و کامرانی کے لئے دعا گو ہوں۔

اے۔پی۔جے۔ایم۔مرائکائیر
1 جولائی 2016، رامیسورم
اے پی جے عبدالکلام انٹرنیشنل فاؤنڈیشن،
ہاؤس آف کلام
12/7، موسک اسٹریٹ، رامیسورم۔623526
رام ناڈ ڈسٹرکٹ۔ تمل ناڈو، انڈیا

دیباچہ

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی زندگی اور کارناموں کو کسی ایک کتاب میں پیش کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے میں نے، اس کتاب میں ان کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں اور بحیثیت صدرِ ہند ان کی مدتِ کار کی عکاسی کرنے کی سعی کی ہے کہ جس نے انھیں اہلِ وطن کے لئے ایک مثالی کردار بنا دیا۔ ڈاکٹر کلام ملک کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز صدر رہے ہیں۔ انھوں نے عام لوگوں کے لئے راشٹر پتی بھون کے دروازے کھول دیے تا کہ وہ سب ان کے ساتھ اپنی خوشیاں اور غم بانٹ سکیں۔

پریس سکریٹری کے طور پر جوائن کرنے کے بعد ان سے پہلی ملاقات ہی میں انھوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ "میں راشٹر پتی بھون کو ہندوستان کی عوام الناس کے لئے ایسا ٹھکانا بنانا چاہتا ہوں، جہاں ملک کے لاکھوں مفلوک الحال لوگوں کی آواز سنی جائے اور اس پر ایکشن ہو۔" دراصل وہ اس اعلیٰ منصب پر بنا کسی ذاتی مفاد کو ذہن میں رکھے، محض ملک کی خدمت کرنے کے لئے ہی یہاں آئے تھے۔ وہ ایک ایسا دلکش مجسمہ تھے جسے ہر ہندوستانی پیار کرتا تھا اور ستائش کرتا تھا۔ ڈاکٹر کلام ملک کے عوام، بالخصوص نوجوان نسل کی امیدوں اور آرزوؤں کی علامت بن گئے تھے۔ بعد از مرگ بھی وہ آج کروڑوں ہندوستانیوں کے لئے ایک شمع ہدایت ہیں۔

انھوں نے اپنی خواہش کے عین مطابق طلبا کو درس دیتے ہوئے اور '2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان' کے اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے ہی اپنی آخری سانسیں لیں۔ وہ اسی انداز میں، جیسا کہ ان کی دیرینہ خواہش تھی، یعنی حالتِ عمل میں اور ملک کی خدمت کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ 27 جولائی 2015 کو انھوں نے داغِ مفارقت دیا تو کشمیر سے کنیا کماری تک پورا ملک غم واندوہ میں ڈوب گیا۔ لوگوں کا جمِ غفیر، ملک بھر سے اور زندگی کے ہر شعبے سے، مادرِ وطن کے اس مہان سپوت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور چشمِ نم سے ان کے جسدِ خاکی کو وداع کرنے کے لئے اُمڈ پڑا۔ ان کی مٹی کا سفرِ آخر، شیلانگ سے شروع ہو کر نئی دہلی اور مدُرائی سے گزرتے ہوئے رامیسورم پہنچ کر پورا ہوا۔ یہی مقام ان کی جائے پیدائش رہا ہے اور یہیں ان کا جسدِ خاکی 30 جولائی 2015 کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ وہ صحیح معنوں میں بھارت کے ایک جیالے بیٹے تھے۔ ملک اس زیاں پر سوگوار ہوا اور ان کے احترام وعقیدت میں جس والہانہ انداز میں اپنے جذبات و احساسات کا ملک نے مظاہرہ کیا وہ بے نظیر تھا۔ میرے لئے یہ ایک گہرا جذباتی صدمہ تھا۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کا خیال، گذشتہ برس، راشٹر پتی بھون میں منعقد یومِ آزادی کی تقریب کے دوران آیا۔ میں عزت مآب وزیرِ اعظم شری نریندر مودی سے وہاں ملا۔ جب میں نے انھیں مبارکباد دی تو انھوں نے کہا، "کلام صاحب پر کچھ لکھیے۔" ان کے یہ الفاظ میرے لیے باعثِ ترغیب بن گئے اور میں نے سوچا کہ ڈاکٹر کلام پر ایک کتاب لکھنا ہی میری جانب سے بہترین اظہارِ عقیدت ہوگا۔ فوراً ہی اس کے بعد اسی جگہ پر معروف صحافی اور میری معزز دیرینہ دوست محترمہ کلیانی شنکر ملیں اور انھوں نے بھی وہی مشورہ دیا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ معروف بلومسبری پبلیشنگ ہاؤس ڈاکٹر کلام پر ایک کتاب کی اشاعت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کتاب کو تحریر کرنے کے لیے آپ مناسب ترین انتخاب ہیں۔ لہٰذا انھوں نے بلومسبری کے مینیجنگ ڈائرکٹر شری راجیو بیری اور ان کے ساتھی شری پروین تواری کو مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لیے وہ مجھ سے ملیں۔ اس طرح، اس کتاب کو لکھنے کی راہ کھل گئی اور 2016 میں یوں میری کتاب 'پیپلس پریزیڈینٹ' منظرِ عام پر آ گئی اور ملک بھر میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ لہٰذا بعض احباب نے میری اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اہلِ اردو تک پہنچانے کا مشورہ دیا تو ان کے جذبۂ خلوص کو محسوس کرتے ہوئے، کتاب کے

اردو ترجمے کی ضرورت اور افادیت کا احساس مجھے شدت سے ہونے لگا مگر اپنے عہدے کی ذمّے داریوں اور دیگر مصروفیات کے باعث عملی طور پر ترجمہ کے لئے وقت نکالنا یا از سرِ نو کتاب کو اردو زبان میں تحریر کرنا دشوار مرحلہ تھا۔ لہٰذا ترجمے کا کام اردو کے ہونہار اسکالر سید وجاہت مظہر کو سونپا گیا، جنھوں نے بڑی حسن وخوبی اور برق رفتاری کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔ میں ان کے روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہوں۔

ہندوستان کا صدر، ملک کا آئینی سربراہ ہوتا ہے اور آئین کے تحت وہ وسیع اختیارات کا مجاز بھی ہوتا ہے۔ لیکن صدر، مرکزی مجلسِ عاملہ کے سربراہ کے طور پر اپنے بیشتر عملی اختیارات وزیرِ اعظم کی رہنمائی میں کونسل آف منسٹرس کی مدد اور صلاح سے نافذ کرتا ہے۔ ڈاکٹر کلام نے حکومت کی حکمتِ عملیوں اور فیصلوں میں تب تک مداخلت نہیں کی جب تک کہ وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے ہوں کہ آئینِ ہند کی بقا، تحفظ اور دفاع کے لئے یہ ناگزیر نہ ہو۔

ڈاکٹر کلام لوگوں کے تصور میں خصوصاً ملک کے نوجوانوں کے دلوں میں آج بھی چھائے ہوئے ہیں۔ خلائی اور میزائل سائنسدانوں کی بڑی تعداد کے لئے وہ آج بھی ایک مثالی شخصیت کے حامل ہیں، جو انتہائی عقیدت ویکسوئی کے ساتھ خلائی اور میزائل ٹکنالوجی کے میدان میں ملک کے لئے نئی منزلیں طے کرنے کے ان کے وژن کو پورا کرنے میں منہمک ہیں۔ اگر چہ ڈاکٹر کلام نے دنیاوی معنوں میں کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھوڑی تھی کیونکہ انھوں نے کچھ جمع کیا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی عمارت تعمیر کرائی تھی اور نا ہی کوئی ملکیت ان کے پاس تھی، لیکن انہوں نے علم کا ایک وسیع سمندر اور ہندوستان کی ترقی کے وژن پر کام کرنے کے لئے قوم کے نوجوانوں کو ایک قومی نصب العین عطا کیا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ڈاکٹر اے پی جے عبدا لکلام کے ساتھ اپنی عمرِ عزیز کے پانچ برس تک کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ تجربہ میری زندگی کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور رہے گا۔

ایس۔ ایم۔ خان

راشٹر پتی بھون میں ڈاکٹر کلام کے ابتدائی دن

جنوری 2002 میں مجھے اپنے دوست اور نامور مصنف مرحوم شمشیر احمد خان کی ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی شخصیت اور فن پر تحریر کردہ کتاب کا دہلی کے عالمی کتابی میلے میں رسمِ رونمائی ادا کرنے کا موقع ملا۔ میں نے وہاں ہندوستان کے میزائل مین اور مثالی شخصیت کی حامل ہستی پر تقریر کی۔ جب میں ان کے بارے میں بول رہا تھا تب مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میں ایک ایسی شخصیت کے بارے میں بات کر رہا ہوں جو کہ اگلے چھ ماہ میں ہندوستان کا صدرِ جمہوریہ بننے والی ہے۔ جب 18 جولائی 2002 کو ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ہندوستان کے گیارہویں صدر منتخب ہوئے تو اس وقت میں بطور ڈائرکٹر (انفارمیشن) اور مرکزی تفتیشی بیورو میں ترجمانِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا۔ میں انھیں ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا اگرچہ کہ ان کے بارے میں نے بہت کچھ سن اور پڑھ رکھا تھا۔ انتخاب کے نتیجہ کا جب اعلان کیا گیا تو اس وقت میں اپنے احباب مسٹر نندی اور شمشیر احمد کے ساتھ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ ہم نے ڈاکٹر کلام سے ملاقات کرنے اور مبارکباد دینے کا فیصلہ کیا۔ پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ لیے ہم کھیل گاؤں کامپلیکس کے ڈی آر ڈی او گیسٹ ہاؤس جا پہنچے جہاں ان دنوں ڈاکٹر کلام مقیم تھے۔

جس وقت ہم وہاں پہنچے تب تک حفاظتی عملے نے اس جگہ کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور وہ صرف گنے چنے لوگوں کو ہی اندر جانے دے رہے تھے۔ حفاظتی تفتیشی عمل کے انتظار کے دوران ، میں نے دیکھا کہ جانے پہچانے صحافیوں کی بڑی تعداد وہاں جمع ہو چکی تھی۔ ہم سب نئے صدرِ جمہوریہ سے متعلق بات چیت کرنے لگے۔ اسی اثنا میں سکیورٹی کا ایک اعلیٰ افسر وہاں آیا اور ہمیں ساتھ اندر لے گیا۔ ہم اس ڈیوپلیکس فلیٹ کے رہائشی کمرے میں بیٹھ گئے، کچھ دیر بعد جناب ڈی آر کاتیکین ، سابق ڈائرکٹر مرکزی تفتیشی بیورو اور ان کی اہلیہ آنجہانی محترمہ کلا بھی وہاں آ گئے تھے۔ پانچ منٹ کے اندر ہی ڈاکٹر کلام بھی تشریف لے آئے۔ جیسے ہی میں خود اپنا تعارف کرانے کے لئے کھڑا ہوا تو مجھے خوشی و حیرانی ہوئی کہ جب ڈاکٹر کلام نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا ''اوہ! آپ مسٹر خان ہیں۔ میں نے آپ کو سی۔بی۔آئی۔ کے معاملات پر ٹیلی ویژن چینلوں کو بریفنگ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔'' یہ وہ زمانہ تھا جب بیشتر نیوز چینل والے سی بی آئی مقدمات سے متعلق روزمرّہ کی بریفنگ کے لئے سی بی آئی ہیڈ کوارٹر پر ڈیرہ ڈالے رہتے تھے۔ بعد ازیں، میری تعیناتی کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ وہ ٹی وی کے خاص شوقین نہیں تھے۔

ہم نے ان سے تقریباً دس منٹ تک بات چیت کی۔ میں نے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ عنقریب ہی میں ان کے ساتھ اگلے پانچ برس تک کے لئے منسلک ہو جاؤں گا۔ میں اپنی اس ملاقات کی خوشگوار یادوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا اور سوچنے لگا کہ اپنے دورِ صدارت میں وہ ہندوستانی سیاست پر ضرور اپنے گہرے نقوش قائم کریں گے۔

گزرتے دنوں میں مجھے پتہ چلا کہ صدرِ جمہوریہ کے دفتر کے اعلیٰ افسران کی تقرری کا سلسلۂ عمل جاری و ساری ہے۔ پریس سکریٹری کی اسامی کے لئے وزارتِ اطلاعات و نشریات اور وزارت برائے امورِ خارجہ سے ایک پینل کی تشکیل کی گئی۔ عموماً تین نام بھیجے جاتے ہیں جن میں سے سرکار کسی ایک کا انتخاب کرتی ہے۔ گذشتہ پریس سکریٹری انڈین فارن سروس سے لئے گئے تھے۔ اس لئے وزارت برائے امورِ خارجہ نے بھی ایک پینل تشکیل کیا تھا۔

کابینہ سکریٹری جناب ٹی آر پرساد کے دفتر سے مجھے فون آیا اور بتایا گیا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ بڑے تجربہ کار بیوروکریٹ اور تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان سے ملاقات

کے وقت مجھے اطلاع دی گئی کہ میرا نام پینل میں شامل ہے اور مجھے اس بابت صدرِ جمہوریہ کے سکریٹری سے ملاقات کرنی ہے۔ میں صدر جمہوریہ کے سکریٹری جناب پی ایم نائر سے ملا جن کا تقرر چند روز قبل ہی ہوا تھا۔ ان سے میری کئی مسائل پر بات چیت بھی ہوئی۔ دیگر چیزوں کے ساتھ میرا اڈوائزر بھی وہاں دستیاب تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے اہلِ خانہ اور سینئر صحافی جناب ٹی وی آر شنوئے جن کا میں بے حد احترام کرتا ہوں، سے راشٹر پتی بھون میں، اپنی ممکنہ تقرری کے بارے میں بتایا۔ ایک اعلیٰ منصبی عہدہ ہونے کے علاوہ ڈاکٹر کلام کے ساتھ کام کرنے کو ہر کسی نے بذاتِ خود ایک بے انتہا قابلِ احترام عمل بتایا۔

6 اگست 2002 کو اس وقت کے مرکزی تفتیشی بیورو کے ڈائرکٹر جناب پی سی شرما نے شام میں مجھے فون کیا اور بتایا کہ میرا صدر جمہوریہ کے پریس سکریٹری کے طور پر انتخاب کرلیا گیا ہے۔ مجھے اگلے دن راشٹر پتی کے سکریٹریٹ میں رپورٹ کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ خبر فوراً پھیل گئی اور مجھے دوستوں اور دفتر کے ساتھیوں اور صحافی احباب کے تہنیتی پیغامات آنے لگے۔ چند لوگوں نے مجھے مرکزی تفتیشی بیورو ہی میں کام کرتے رہنے کا مشورہ دیا جب کہ بیشتر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ڈاکٹر کلام کی پیشوائی اور رہنمائی میں کام کرنا زیادہ بڑی اور قابلِ قدر بات ہے۔

7 اگست 2002 کو میں نے راشٹر پتی بھون جوائن کرلیا۔ صدرِ محترم سے میری ملاقات کا وقت شام 3:30 بجے کا طے ہوا۔ طے شدہ وقت پر میں ان کے چیمبر میں حاضر خدمت ہوا۔ وہ اپنی ٹیبل پر کام میں منہمک تھے اور میں ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ انھوں نے کہا 'میں راشٹر پتی بھون کو عوام الناس کا مسکن بنانا چاہتا ہوں، جہاں لاکھوں غریب و بے بس لوگوں کی آواز کو سنا جائے اور اس پر عمل درآمد ہو۔ صدرِ جمہوریہ ہند کے اس بڑے دفتر کو مکمل طور پر ملک کے عوام الناس کے ساتھ ہم آہنگ دیکھنا چاہتا ہوں۔' بیس منٹ کے بعد میں جب ان کے کمرے سے باہر نکلا تو مجھ پر ان کا مشن اور وژن بڑا واضح ہو چکا تھا۔ وہ اس اعلیٰ ادارے میں کسی بھی ذاتی مفاد یا لالچ سے نہیں بلکہ محض 'ملک کی خدمت' کے نصب العین سے آئے تھے۔ وہ ایک ایسی ہستی تھے جس نے قوم کے ایک خلائی سائنسداں اور ایک میزائل سائنسداں کے طور پر بیش بہا خدمات سرانجام

دی تھیں اور ساتھ ہی 2020 تک ایک ترقی یافتہ ملک کے طور پر ہندوستان کی تعمیر کا پروگرام بھی تشکیل کیا تھا۔

وہ ایک پکے قوم پرست، بے تکان مصنف، بے مثال محرک اور یکتا ویگانہ روزگار رہنمائے قوم تھے۔ وہ ایک اوسط درجے کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے پھر بھی انھوں نے تمام تر دقتوں کے باوجود تعلیم وسخت محنت کے بل بوتے پر بلندیاں حاصل کیں۔ مجھے یہ پکا یقین ہے کہ اگر کوئی شخص ڈاکٹر کلام کی زندگی سے تھوڑا سا بھی سبق حاصل کرے تو اس کی زندگی کامیابی کی سیڑھیاں پار کر لے گی۔

آٹھ سال تک شعبۂ سائنس وتکنالوجی کے تحت تکنالوجی انفارمیشن، فورکاسٹنگ اینڈ اسیسمنٹ کونسل (ٹی آئی ایف اے سی) کے چیئرمین کی حیثیت سے انھوں نے ملک کو 'تکنالوجی وژن 2020' عطا کیا۔ یہ وژن 500 ماہرین اور مختلف شعبوں کے 5000 سائنسدانوں اور تکنیکی ماہرین کی انتھک مساعی پر مبنی ایک فعال ٹیم کی سرگرمیوں کا ثمرہ تھا اور اسی کے بطن سے انڈیا میلینیم مشن (آئی ایم ایم 2020) کی تشکیل ہوئی تھی۔ یہ ہندوستان کو ایک ترقی یافتہ ملک میں تبدیل کرنے کی راہ کا نقشہ تھا۔ یہ ملک کے لئے ایک دوسرا وژن تھا جس کے واحد معمار ڈاکٹر کلام تھے۔ جب وہ صدر جمہوریہ ہند بنے تو انھوں نے اپنا یہ منصوبہ جناب اٹل بہاری واجپئی کی تشکیل کردہ کابینہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ کابینہ کی کاغذی کاروائی شروع ہوئی۔ ڈاکٹر کلام کے عہد صدارت کے دوران اور بعد میں بھی این ڈی اے اور یو پی اے دونوں سرکاریں اس مشن پر سرگرم عمل رہیں۔

ڈاکٹر کلام کے ساتھ ہر دن ایک نئے تجربے کے مترادف تھا۔ میں پابندی کے ساتھ دفتری کام کاج کے لئے ان سے ملا کرتا تھا۔ یہ براہِ راست انھیں معلومات فراہم کرنے اور ان سے براہِ راست ہدایات حاصل کرنے کا موقع ہوتا تھا۔ وہ 2020 تک ہندوستان کو ترقی یافتہ ملک بنانے پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے۔ ایک طاقتور اور خودکفیل ملک کی تعمیر وتشکیل کے لئے وہ بے تکان محنت کر رہے تھے۔ استحصال کے شکار اور حاشیے پر کھڑے ہوئے لوگوں کو کسمپرسی اور بے بسی کی صورتِ حال سے نکال باہر کرنے کے کارگر طریقوں کی تلاش میں وہ ہمیشہ سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ وہ ہمیں کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کے بچے ہی ملک کا مستقبل ہیں اور انھوں نے ان کی

فلاح و بہبودی میں گہری دلچسپی لی۔ انھوں نے بدعنوانی، رشوت خوری اور فرقہ پرستی کے خلاف آر پار کی لڑائی لڑی۔ ڈاکٹر کلام کے لئے ہر دن ایک نئے تجربے کا حامل تھا۔ ان کے لئے بغیر کسی ترجیح کے ہر چیز ایک خاص اہمیت رکھتی تھی۔ وہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ ہر کاغذ کا پوری طرح مطالعہ کیا جائے۔ ان کی یادداشت قابلِ رشک تھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر کوئی چیز کسی کے زیرِ نگیں ظہور پذیر ہوتی ہے تو اسے بحیثیت سربراہ کے اس کی پوری ذمے داری لینا چاہئے۔ کسی کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ اسے معلوم نہیں تھا یا یہ کہ اس نے فلاں کام اپنے ماتحت کو سونپ رکھا تھا۔ مجھے خاص طور پر ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ جب شعبۂ پیغامات نے جو کہ میرے زیرِ نگرانی تھا، غلطی سے اتر پردیش میں ایک رکنِ پارلیمنٹ کی فیملی کو کسی دوسرے اسی نام کے رکنِ پارلیمنٹ کی وفات پر تعزیتی خط بھیج دیا تھا۔ جب مجھے معلوم پڑا تو میں نے صدرِ محترم کو اس کوتاہی کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور ٹیم کے افسرِ اعلیٰ کی حیثیت سے اس بات پر افسوس کیا۔ جیسے ہی میں نے کہا۔ "سر، میں ہی اس کوتاہی کے لئے ذمے دار ہوں۔ مجھے صحیح طور پر پتہ چیک کرنا چاہئے تھا۔" تو ان کا غصہ غائب ہو گیا۔ انھوں نے مجھے اُس رکنِ پارلیمنٹ کو فون ملانے کے لئے کہا اور بذاتِ خود اُس سے اِس کوتاہی کے لئے افسوس ظاہر کیا۔

انھوں نے صدرِ ہند کے طور پر اپنے مجلسی و رسمی فرائض بڑے باوقار انداز میں اور شائستگی کے ساتھ ادا کیے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بات بھی ہمیں بڑے واضح طور پر بتائی تھی کہ وہ عوام الناس کے صدر ہیں اور کوئی وائسرائے نہیں ہیں جو کسی تختِ شاہی کی نمائندگی کر رہا ہو۔ انھوں نے بڑی حد تک اپنی روزمرہ کی زندگی میں ظاہری شان و شوکت اور دکھاوے سے اجتناب کیا۔

انھوں نے ایک عام آدمی کی طرح برتاؤ روا رکھا اور عام آدمی کی خوشیوں اور دکھ درد کو بانٹا۔

فوجیوں کے لئے ان میں بڑا احترام کا جذبہ موجود تھا۔ ان کے سیاچن گلیشئر اور کارگل کے دورے فوجیوں کے تئیں ان کے جذبۂ احترام کے مظہر ہیں۔ وہ ان کے حوصلے بلند رکھنا چاہتے تھے۔ وہ فوج کے تمام قسم کے عہدیداروں کے ساتھ گھل مل جاتے اور ان کی ہمت افزائی کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر کلام نے 15 اگست کو ہر سال انڈیا گیٹ پر امر جوان جیوتی پر جا کر خراجِ عقیدت پیش کرنے کی روایت قائم کی۔ ایک ایسی روایت جو آج تک جاری و ساری ہے۔ یاد رہے کہ یومِ

آزادی کے قبل قوم کے نام خطاب کے علاوہ پہلے صدر جمہوریہ کی 15 اگست کے دن کوئی اور سرکاری سرگرمی نہیں ہوا کرتی تھی ۔

ڈاکٹر کلام کی زندگی میں آرام کے لئے بھی کچھ وقت ضرور ہوا کرتا تھا۔ان ساعتوں کو وہ وینا بجانے یا شاعری تخلیق کرنے میں استعمال کرلیا کرتے تھے۔وہ پابندی سے ٹہلا کرتے تھے لیکن ان کے ٹہلنے ،دوپہر کا کھانا کھانے اور شام کا کھانا کھانے کے اوقات میں بڑی بے قاعدگی ہوا کرتی تھی۔وہ غیر معینہ وقت میں ٹہلا کرتے تھے۔کبھی دن میں دس بجے تو کبھی شام چار بجے۔ان کا دوپہر کے کھانے کا وقت 4:30 ہوا کرتا تھا اور ڈنر دیر رات کو۔ان کا ناشتہ عموماً 10:30 سے 11:00 کے بیچ ہوتا تھا۔ان کے معالج کے لیے ٹائم ٹیبل کی یہ بے قاعدگی بڑا مسئلہ تھی۔ڈاکٹر کلام ایک سچے مسلمان تھے ۔وہ فجر کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔تقریباً ہر روز وہ قرآن شریف اور اکثر بھگوت گیتا کا بھی ورد کیا کرتے تھے۔ان کی دوسری دلچسپی تمل زبان کی ''تھیروکورل'' میں تھی جو سوامی تھیروولور کی تعلیمات پر مبنی کتاب تھی۔یہ کتاب اخلاقیات،اعلیٰ انسانی اقدار اور اچھی حکمرانی کے اصولوں پر محیط تھی۔دیگر مذہبی کتب مثلاً بائبل،تورات اور خلیل جبران کی تخلیقات میں ان کی گہری دلچسپی تھی۔انھوں نے اپنے مذہب کے بارے میں بڑھ چڑھ کر باتیں نہیں کہیں،لیکن پوری زندگی مذہب کی اعلیٰ ترین اقدار کے مطابق گزاری۔انھوں نے دوسرے سارے مذاہب کے لئے احترام کے جذبے سے سرشار اور عملی طور پر گہری روحانیت سے پُر،ایک سچے مسلمان کی زندگی بسر کی۔رمضان کے مہینے میں روزہ رکھتے تھے۔(علاوہ ان دنوں کے جب وہ دہلی سے باہر دوروں پر ہوتے تھے)ختم تراویح پر انھوں نے اپنے دورِ صدارت کے دوران ہر سال راشٹر پتی بھون کی مسجد میں شرکت کی۔انھوں نے بنی نوع انساں کی خدمت کو سب سے اہم مذہبی فریضہ کے طور پر سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے اور اسے دیگر انسانوں سے معاملات پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔وہ اکثر و بیشتر قرآن شریف کے سورۃ الکافرون کی آیت ''لـکـم دیـنـکـم ولیدین'' کا ذکر کیا کرتے تھے۔جس کا مفہوم تھا کہ ''تمھیں تمھارا دین بھلا اور مجھے میرا۔''

راشٹر پتی بھون میں سرکاری عملے کے ساتھ پہلی میٹنگ ہی سے ڈاکٹر کلام نے اپنی ذمے داری سنبھالتے ہی سخت پروٹوکال کو ترک کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پہلے اقدام کے طور پر

انھوں نے مستقر سے باہر جانے پر شاہی کاریں لے جانے کا سلسلہ ترک کرا دیا۔انھوں نے ہدایت دی کہ نئی دہلی سے باہر ان کے دوروں میں وہ ریاستی حکومتوں کے ذریعہ مہیا کی گئی کاریں استعمال کریں گے جو عام طور پر ایمپیسڈر ہوتی تھیں۔انھیں یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ انھیں ''مہامہم'' یا ''ہز ایکسیلینسی'' کہہ کر مخاطب کریں۔اس کے بجائے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ انھیں محض ڈاکٹر کلام کہہ کر ہی خطاب کیا جائے۔جب وہ کسی تقریب میں شرکت کرتے تھے تو وہ اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھتے تھے کہ منچ پر سب کی ایک جیسی ہی کرسیاں لگائی جائیں۔انھوں نے راشٹر پتی کے لئے زیادہ بڑی کرسی لگائی جانے کے پرانے چلن کو بالکل ترک کر وادیا۔بالکل شروع ہی سے وہ بہت واضح طور پر بتا چکے تھے کہ وہ ایک باہمی مکالمہ اور ارتباط قائم کرنے والے صدر بننا چاہتے ہیں۔ان کی نگاہ میں یہ دفتر ایک بیش بہا موقعہ کے مترادف تھا۔جس میں ملک کے طول وعرض میں شہریوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ راشٹر پتی بھون محض ایک عالیشان عمارت نہ سمجھی جائے بلکہ ایک ایسی جگہ ہو کہ جہاں بچے،فنکار،دانشور اور کوئی بھی ایسا شخص جو کچھ اہم بات کہنا چاہتا ہو، یہاں آسانی سے آسکے اور ان سے ملاقات کر سکے۔

وہ ایک خالص سبزی خور شخص تھے اور نشیلی اشیا کے سخت خلاف تھے۔ملک بھر میں یہ ہدایت جاری کردی گئی تھی کہ ان کے دوروں کے دوران انہیں بالکل سادہ سبزیوں والا کھانا مہیا کرایا جائے۔لیکن انھوں نے اپنے اسٹاف کے اراکین پر اپنی غذائی عادات کبھی نہیں تھوپنی۔وہ سب اپنی پسند کے مطابق جو چاہیں کھانے کو آزاد تھے۔

وہ ہمیشہ کام میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ کسی کو خالی نہیں بیٹھنا چاہیے،ایک منٹ کے لئے بھی۔ایک بار کسی دورے کے دوران راج بھون کے آنگن میں اپنے چند افسروں کو خالی بیٹھا دیکھا جن میں میں بھی شامل تھا۔ہم اس وقت باتیں کر رہے تھے کہ اچانک وہ ہمارے قریب آئے اور کہنے لگے،''تم لوگ کیا کر رہے ہو؟''''سر،کوئی کام نہیں بچا ہے۔''کسی نے جواب دیا۔''بالکل خالی مت بیٹھو۔کھانا شروع کردو! کھانا کھانا بھی کام ہے اور اس طرح تم وقت بچا سکو گے کیونکہ ہمیں باقی دوسرے کام نپٹانا ہیں۔''ان کا مزاح کا شعور بڑا فطری اور بے ساختہ تھا۔

راشٹر پتی بھون میں انھوں نے اپنی اولین ترجیحات میں سے ایک یہ کی کہ ای گورنینس کی پہل کرائی۔ کمپیوٹرس وہاں پہلے ہی سے استعمال میں آ رہے تھے لیکن ڈاکٹر کلام نے سوچا کہ یہ عمل مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے ایک ایسے نظام پر عمل آوری شروع کرائی جہاں تمام فائلیں، دستاویزات اور خطوط پہلے ڈیجیٹائزڈ اور بارکوڈیڈ ہو جائیں گے۔ راشٹر پتی بھون کے دفتر کے نو محکموں میں جب ای گورنینس پر عمل آوری شروع کر دی گئی تو ہم نے دیکھا کہ اس سے درخواستوں اور خطوط کی جلد تر نکاسی میں مدد ملی۔

صدر جمہوریہ ہند یوم آزادی اور یوم جمہوریہ سے قبل ملک سے خطاب کرتے ہیں۔ ان موقعوں پر یہ صدر کا ذاتی پیغام ہوتا ہے نا کہ سرکار کا پالیسی بیانیہ۔ ڈاکٹر کلام نے اپنے عہد صدارت کی شروعات ہی سے ان موقعوں کو مختلف میدانوں میں درپیش مسائل کے بارے میں ملک کو آگاہ کرنے کا وسیلہ بنایا۔

اس تقریر کا ہمیشہ ایک تھیم ہوتا تھا اور اس کی بہت پہلے ہی سے تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ یہ تقریر بہت سارے مسودوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ 2004 میں یوم جمہوریہ کی تقریر کا تھیم مثال کے طور پر تھا ''اربوں چہروں پر مسکراہٹ''۔ اس خطبے کی صدر محترم کی قطعی منظوری سے قبل دس بار مسودے تیار کیے گئے تھے۔ 2005 کی یوم آزادی کے خطاب کا تھیم ''توانائی میں خود انحصاری'' تھا جس کے پندرہ بار مسودے بنے۔ ڈاکٹر کلام ان تقریروں کی تیاری میں بذات خود پورے انہماک کے ساتھ اس کام میں سرگرم عمل ہو جاتے تھے۔ ہم اپنے طور پر مسودہ تیار کرتے تھے مگر وہ اس میں بڑی حد تک ترمیم و اضافہ کر کے خود اپنا ذاتی نظریہ بھی شامل کر دیتے تھے۔

ایک اور اہم سہولت جو انھوں نے راشٹر پتی بھون میں بالکل شروع ہی میں تنصیب کرائی تھی وہ مجازی کانفرنس اور میٹنگ کی سہولت تھی۔ اس سہولت سے انھیں اور ان کے افسروں کی ٹیم کو ملک میں مختلف جگہوں سے مختلف اداروں کے ماہرین کے ساتھ صلاح و مشورہ کرنے اور بحث و مباحثہ کا بہتر موقع فراہم ہو سکے۔

جنوری 2003 میں ان کے عہد صدارت کے دوسرے برس کے دوران انھوں نے اپنے مدت کار کی پہلی گورنروں کی کانفرنس راشٹر پتی بھون میں منعقد کی۔ گورنروں کی دوسری کانفرنس

2005 میں منعقد کی گئی تھی۔ یہ کانفرنس وزیرِ اعظم اٹل بہاری واجپئی کے ہندوستان کو 2020 تک ترقی یافتہ ملک بنانے کے اُس عزم کو جو ڈاکٹر کلام کے انڈیا وژن 2020 اور خود اس سے پہلے وزیرِ اعظم کے لال قلعے کی تقریر میں بھی جس کا لائحۂ عمل شامل تھا، یقینی بنانے کے پس منظر میں منعقد ہوئی تھی۔ 2005 کی گورنروں کی کانفرنس میں وزیرِ اعظم جناب منموہن سنگھ نے سرکار کے اسی عزم کو دہرایا تھا۔ اس میں ریاستوں میں درپیش تعلیم اور قدرتی آفات کا نظم و نسق، جی ایس ٹی سے متعلق آگہی، آتنک واد اور عام نظم و نسق کے مسائل جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث و مباحثے کیے گئے۔

ان کانفرنسوں میں صدرِ محترم ڈاکٹر کلام نے گورنروں سے دانشورانہ صلاح دینے کو کہا جو سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو اور عوام و حکومت کے بہبود میں ہو۔ انھوں نے گورنروں سے کہا کہ اقتدار سے مقابلہ آرائی کے مراکز بنے بغیر بھی محض ایک رسمی و آرائشی ادارۂ اقتدار کی علامت سے بڑھ کر عام آدمی کے دکھ درد دور کرنے میں وہ زیادہ بڑا اور مثبت و سرگرمِ عمل کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اندرونِ ملک دَورے

ڈاکٹر کلام کو صدرِ مملکت بنے کچھ دن بیت چکے تھے۔صدر کے دفتر کے افسرانِ اعلیٰ قیاس آرائی کر رہے تھے کہ وہ نئی دہلی کے باہر سب سے پہلے کہاں اور کب دورہ کریں گے۔9 اگست کا دن آیا۔اس دن بھارت چھوڑو تحریک کی سال گرہ منائی جاتی ہے جس میں جدو جہدِ آزادی کے معماروں کو راشٹر پتی بھون میں مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔وزیرِ اعظم بھی اس تقریب میں شرکت کرتے ہیں۔اس دن صبح کی میٹنگ میں ڈاکٹر کلام نے ہم سے کہا کہ وہ 12 اگست کو اپنے پہلے ریاستی دورے میں گجرات جائیں گے۔انھوں نے اس کے تین اسباب بتائے اور مجھے یہ ہدایت دی کہ میں پریس ریلیز تیار کرلوں۔

1۔ 2001 میں گجرات میں تباہ کن زلزلہ آیا تھا۔جس کے زیرِ اثر جان و مال کا بھاری نقصان ہوا تھا،خصوصاً بھُج اور کچھ کے علاقوں میں۔

2۔ فروری مارچ 2002 میں گجرات میں فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے تھے۔جس کے سبب بہت زیادہ جان و مال کا زیاں ہوا تھا اور فرقوں کے مابین بے اعتمادی پیدا ہوئی۔

3۔ اپنے استادِ محترم ڈاکٹر وکرم سارا بھائی کو وہ خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے جو گجرات ہی سے تعلق رکھتے تھے اور 12 اگست کو ان کا یومِ ولادت تھا۔

اس وقت کے وزیرِ اعظم جناب اٹل بہاری واجپئی جدوجہدِ آزادی کے معماروں کی خیر مقدمی تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ تقریب کے بعد صدر کلام انھیں دربار حال کے نزدیک کے شمالی مہمان خانے میں لے گئے جہاں دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ انھوں نے وزیرِ اعظم کو اپنے اس عنقریب سرکاری دورے کے بارے میں آگاہ کیا۔ تقریب میں شامل پریس کے نمائندے چوکس ہو گئے اور صدر اور وزیرِ اعظم کے مابین اس بغیر تیاری کی میٹنگ کے اسباب کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ عموماً اس طرح کی میٹنگیں پہلے ہی سے طے شدہ ہوتی ہیں۔ یہ میٹنگ پندرہ منٹ تک چلی جس میں صدر ڈاکٹر کلام نے شری واجپئی کو اپنے دورۂ گجرات سے متعلق بتایا کہ وہ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ان کے ایجنڈے میں قومی سالمیت سرِ فہرست ہے اور ان کے لئے قوم کا اتحاد و یکجہتی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جب شری واجپئی صدرِ محترم کے ساتھ اپنی میٹنگ سے باہر آئے تو میڈیا والوں نے ان سے پوچھا کہ اس میٹنگ میں کیا بات ہوئی۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ انھوں نے جواب دیا تھا: ''راشٹرپتی جی گجرات جا رہے ہیں''

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح فوراً پھیل گئی۔ اگلے دن کی سرخیاں تھیں: 'میزائل مین گجرات جا رہے ہیں' / 'میزائل مین کی رہنمائی کی جائیگی یا نہیں۔' 'یہ دورہ سیاسی ہلچل پیدا کرے گا'

صدرِ محترم کلام اور ان کا قافلہ احمد آباد ہوائی اڈے پر پہنچا۔ ہوائی اڈے پر شری نریندر مودی اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ جو آج وزیرِ اعظم ہیں، گورنر شری ایس ایس بھنڈاری، دیگر وزرا اور میزبان سرکاری و پولیس کے اعلیٰ عہدے داروں نے صدرِ ہند کا خیر مقدم کیا۔ اپنے پروگرام کی شروعات انھوں نے فسادات سے متاثرہ علاقوں کے دورے سے کی۔ انھوں نے فساد سے متاثرہ نو مقامات اور تین راحت کیمپوں کا دورہ کیا۔

کیونکہ وزیرِ اعلیٰ ہر مقام پر ڈاکٹر کلام کے ہمراہ رہے تھے، اس لئے جو عرضیاں صدرِ محترم کو موصول ہوئی تھیں، ان پر فوری ضروری عمل کے لئے ان کو براہِ راست طور پر ہدایات دی گئیں۔ میڈیا کی تمام تر توجہ اس دورے پر مرکوز تھی لہٰذا وہ جہاں بھی جاتے میڈیا والے ان کا تعاقب کرتے نظر آئے۔ جب اور جیسے ممکن ہوتا میں میڈیا کو بریفنگ دے رہا تھا۔ دوپہر میں وہ ڈاکٹر وکرم سارا بھائی کی رہائش گاہ پہنچے اور ان کی اہلیہ اور بیٹی سے ملاقات کی۔ دن بھر کی مصروفیات کے بعد دیر

رات ہم راج بھون پہنچے اور وہاں صدرِ محترم کی نگرانی میں پریس ریلیز کا ایک مسودہ تیار کیا۔

ان کے دورے کے پہلے دن کے پیغام میں، جو کہ پریس ریلیز میں منعکس تھا، انھوں نے ایک دوسرے کو قبول کرنے اور شانتی، عدم تشدد اور تکثیریت کے ہندوستانی اوصاف کو برقرار رکھنے پر زور دیا، جو بقول ان کے ہندوستانی تہذیب کا اصل جوہر ہے۔ انھوں نے کہا کہ مذاہب خوبصورت جزیروں کی مانند ہیں لیکن ان میں باہمی ارتباط نہیں پایا جاتا۔ صرف روحانیت سے لبریز روشن خیال اذہان ہی ایسا ارتباط قائم کر سکتے ہیں اور مذاہب کو باہم یکجا کر سکتے ہیں۔

انھوں نے گجرات کے عوام کو امن سے رہنے اور ایک ایسے خوشحال گجرات کی تشکیل کے لئے سرگرم عمل ہونے کو کہا تھا، کہ جس کے توسط سے ہندوستان کی ایک خوشحال اور ترقی یافتہ ملک بننے کی راہ ہموار ہو سکے۔

راحت کیمپوں اور دیگر متاثرہ علاقوں میں اپنے دورے کے حوالے سے ڈاکٹر کلام نے کہا "یہ سب دیکھنے کے بعد اور گجرات کی شاندار روایات کے پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے یہ پورا یقین ہے اور اس بات پر میرا ایمان ایک بار پھر مضبوط ہو گیا ہے کہ فرقہ واریت اور تشدد کی دیگر اشکال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور ذہنوں میں ہم آہنگی اور اپنے وژن اور مقاصد میں مکمل یکجہتی پیدا کرنے کے لئے قوم کو ایک زبردست تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔"

دوسرے دن، شری نریندر مودی کے ساتھ انھوں نے بھج اور کچھ کے زلزلے سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ انھوں نے کچھ میں متاثرہ لوگوں کے لئے ماتا امرتا نندمئی کے ذریعہ بنائی گئی ایک ہاؤسنگ کالونی کا افتتاح بھی کیا۔ راحت اور بازآبادکاری کے لئے ریاستی سرکار کے ذریعہ کی گئی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ گجرات اس لئے آئے ہیں کہ ایک طرف تو انھیں زلزلے کے شکار لوگوں کا غم تھا اور دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات سے متاثرہ لوگوں کا رنج والم۔

راحتی کیمپوں اور فسادات سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد وہ پرمکھ سوامی مہاراج سے ملاقات کے لئے سوامی نارائن مندر بھی گئے۔ وہ دورِ جدید کے بہت بڑی روحانی شخصیت اور سنت سوامی نارائن کے سلسلے کے پانچویں روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں۔ سوامی پرمکھ نے انھیں کہا کہ ہمارا سماج بڑے مشکل دور سے گزر رہا ہے اور ہمیں امن وآشتی قائم کرنا ہی ہوگی۔ ہم سب کو مل

کر امن اور یکجہتی کے لئے محنت کرنا ہوگی۔ ڈاکٹر کلام نے سوامی جی سے کہا: "ملک کے لئے خیالات کا ملاپ نہایت ضروری ہے۔ ملک کی ترقی کی بنیاد اسی ملاپ پر منحصر ہے۔" دونوں نے مل کر روحانیت وسائنس پرمبنی ایک انوکھا سماں باندھ دیا۔ دونوں نے تمام مذاہب کی روحانی ماہیت پر اتفاق کیا، جو کہ ہندوستانی سماج کی کثیر العقیدگی کی ساخت کو سچا خراج تحسین تھا۔

5 ستمبر 2002 کو انھوں نے بھوپال کا دورہ کیا۔ جہاں عوام الناس 1984 کے گیس رساؤ سانحے کے باعث عرصۂ دراز سے تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ وہاں وہ سب سے پہلے بھوپال میموریل ہاسپٹل اور ریسرچ سینٹر گئے۔ بہت سے شہریوں نے صدر جمہوریہ سے درخواست کی کہ وہ اسپتال کے کاموں کی جانچ کرائیں۔ کیونکہ وہ وہاں کی کارکردگی اور متاثرہ لوگوں کے لئے راحت پہنچانے کے کام کاج سے مطمئن نہیں تھے۔ پریس رپورٹوں میں بتایا گیا تھا کہ وہاں امیروں اور ایسے لوگوں کا علاج کیا جارہا تھا جو گیس رساؤ سانحے کا شکار نہیں تھے۔ یہ اسپتال یونین کاربائیڈ سے منسلک جائیدادوں کے فروخت سے ملنے والی رقومات سے متاثرہ لوگوں کا مفت علاج کرانے کے لئے چلایا جارہا تھا۔ ڈاکٹر کلام نے اسپتال کے چیئرمین، جسٹس اے ایم احمدی (جو ایک سبکدوش چیف جسٹس تھے) اور ڈاکٹروں سے ایک طویل مباحثہ کیا۔ انھوں نے اِن حضرات کو یہ باور کرنے کی سعی کی کہ گیس رساؤ سے متاثرہ لوگوں ہی کا تمام تر توجہ کے ساتھ ترجیحی بنیاد پر علاج کیا جانا چاہیے اور اسپتال کی کارکردگی کی تصویر بہتر بنانا چاہیے۔ شام میں انھوں نے بھوپال میں نیشنل جیوڈیشیل اکادمی کا افتتاح کیا اور کچھ جگہوں پر بڑھتے ہوئے عدمِ تحمل اور نفرت کے ماحول پر اثر انگیز تقریر بھی کی۔ انھوں نے عدلیہ کو 'انجیل اور مارشل' سے تعبیر کیا جو جمہوریت کی بقا کو یقینی بناتی ہے۔

اگلی صبح وہ گیس متاثرین سے ملے جو سیکڑوں کی تعداد میں اپنی تکلیفیں بیان کرنے کے لئے پہنچے تھے۔ انھیں ڈاکٹر کلام نے خود بلایا تھا۔ انھوں نے اپنی پوری توجہ سے ان لوگوں کو سنا۔ میں خود اس میٹنگ کے دوران وہاں موجود تھا اور لوگوں سے بات چیت کے ذریعہ مسائل اور دکھ درد کو سمجھنے میں ان کی مدد کر رہا تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گئے تھے کہ اتنے برسوں بعد بھی ان متاثرین کی پوری طرح سے بازآبادکاری نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں انھوں نے اس مسئلے پر وزیر اعلیٰ شری ڈگ وجے سنگھ اور گورنر شری مہاویر پرساد سے گفتگو کی اور اس مسئلے کا تدارک کیسے کریں اور بھوپال میں واقع یونین

کاربائیڈ تنصیبات کے ملبے کو جس میں زہریلا مادّہ بھی موجود تھا، کس طریقہ سے سائنٹیفک انداز میں ہٹایا جائے، اپنے مشورے اور ہدایات دیں۔ ڈاکٹر کلام نے اپنی زندگی کے اکیس برس کیرالہ میں گزارے تھے۔ انھوں نے تیرو آنند پورم میں تھمبا میں وکرم سارا بھائی اسپیس سینٹر میں بطور سائنسداں کام کیا تھا۔ اُن کا سب سے پہلا پروجیکٹ 'ایس ایل وی-3' اسی مرکز میں ڈیزائن اور تیار کیا گیا تھا جسے سری ہری کوٹا سے خلا میں چھوڑا گیا تھا۔

ان کے مطابق کیرالہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی بہترین مثال ہے اور تعلیم اور سخت محنت سے ایک بہتر مستقبل بنانے کی آرزو رکھنے والوں کا مسکن ہے۔ اپنے دورِ صدارت میں ڈاکٹر کلام کئی بار دورے پر کیرالہ گئے۔ ہر بار وہ کیرالہ کے سماج کی منفرد خوبیوں پر بات کرتے۔

18 نومبر 2002 کو انھوں نے 'برِجنگ دی ڈیجیٹل ڈیوائیڈ' مہم کا کیرالہ میں آغاز کیا جسے وہاں 'اَکشیا' نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ 'اَکشیا' مہم کا مقصد تھا ہر گھر سے کم از کم ایک شخص کو عملی طور پر انفارمیشن تکنالوجی سے واقفیت رکھنے والا فرد بنانے کا ہے۔ اس طرح کیرالہ دنیا کی سو فیصد انفارمیشن تکنالوجی جاننے والی ریاست بن سکی۔

یہ دن اس سوچ کی آغاز کا بھی دن تھا جو بعد میں 'آدھار کارڈ' کی شکل اختیار کر گیا۔ سات برس بعد حکومتِ ہند نے یونیک آئیڈینٹی فیکیشن اتھارٹی آف انڈیا (یو آئی ڈی اے آئی) کا قیام کیا۔ ڈاکٹر کلام اس تصور کے اولین وکیل تھے:

''ہمیں ایک ووٹر شناختی کارڈ، راشن کارڈ، بینک اکاؤنٹ اور بہت سی دوسری ضروریات کے لئے ایک قومی شہری کارڈ بنانے کی مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ قومی شہری کارڈ/اسمارٹ کارڈ کی ایک مربوط کثیر شعبہ جاتی اور صنعتی گرفت لازمی ہوگی۔''

اسی دن انھوں نے کوچی، کیرالہ میں سینٹ تھامس کی ہندوستان آمد کی 1950 ویں سالگرہ اور سینٹ زیویئر کی 450 ویں یومِ وفات کی تقریبات میں حصہ لیا۔ سینٹ تھامس حضرت عیسیٰ مسیح کے بارہ شاگردوں میں سے ایک تھے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ سینٹ تھامس ہی عیسائیت کو سرزمینِ ہند پر لائے تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس تقریب میں شریک ہونے کے لئے وہاں جمع ہوئے۔ یہ تقریب کوچی کے ایک ساحلی علاقے میں منعقد کی گئی تھی۔ ڈاکٹر کلام نے اس موقع پر کہا ''میرے نزدیک کسی بھی مذہب

سے جڑی ہوئی تقریب کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے۔ ایسا اس لئے کہ تمام مذاہب اپنی اصلی شکل میں بنیادی طور پر ایک جیسے، بلکہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ سب سچائی، اُخوت، انسان دوستی، عاجزی اور زندگی کی عظمت کا درس دیتے ہیں۔ یہ ہم جیسے لوگ ہیں جو مذہب کو اپنے خود غرضی پر مبنی مقاصد کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ مذہب کو اس کی ابتدائی پاکیزہ شکل سے دور کر کے اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔"

25 اپریل 2004 کو ہندوستانی بحریہ کا بادبانی جہاز آئی این ایس ترنگنی پوری دنیا کا اپنا تاریخی سفر پورا کر کے بحریہ کے اپنے مرکز پر لوٹ آیا تھا۔

ڈاکٹر کلام نے صدر اور مسلح افواج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے بحریہ کے مرکز پر ایک تقریب میں اِس جہاز اور اس کے عملے کا کوچی میں پُر جوش خیر مقدم کیا۔ پندرہ مہینے کے طویل سفر کے دوران یہ جہاز 33000 بحری میل کا فاصلہ طے کرتے ہوئے 36 بندرگاہوں اور 18 ملکوں سے گزرا تھا۔ بحری عملے اور دیگر معززین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "آئی این ایس ترنگنی کا 458 روزہ دورہ اس بات کا ضامن ہے کہ ہندوستانی بحری علاقوں پر اب کوئی تسلط نہیں جما سکے گا یا اس کی سمندری معاشی سرگرمیوں پر اب کوئی خطرہ نہیں منڈلا سکے گا۔"

20 دسمبر 2006 کو ڈاکٹر کلام نے پھر سے کیرلہ کا دورہ کیا اور کوچی سے متصل بری علاقے کو جزیرہ نما سے جوڑنے والے پُل "امر تا سیتو" کی افتتاحی تقریب میں حصہ لیا اور وہاں امر تا نند مئی مٹھ بھی گئے اور ملک کے مختلف حصوں میں اماں کے توسط سے چل رہے فلاحی کام کاج کی تعریف کی اور ان کا خیر مقدم کیا۔

ڈاکٹر کلام نے شمال مشرق میں دوروں کا سلسلہ اپنے مدتِ کار کے ابتدائی دنوں ہی سے شروع کر دیا تھا کیونکہ وہ وہاں کے مسائل جاننے کے آرزومند تھے۔ ان کا پہلا یک روزہ دورہ تری پورہ کا تھا جو بڑا سودمند ثابت ہوا۔ وہاں ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔

انھوں نے وہاں ریاست کے جی بی ہاسپٹل کے ایک ٹیلی میڈیسن سینٹر کا افتتاح کیا اور ایک چودہ سالہ لڑکے سے گیلا شہر میں ملاقات کی جو کہ دل کے روزنوں کے مرض میں مبتلا تھا اور جسے فوری جراحی کی ضرورت تھی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ جب صدر محترم نے اس لڑکے سے نام

پوچھا تو اس نے اپنا نام ''عبدالکلام'' بتایا۔ بعد میں ڈاکٹر کلام کے حکم کی تعمیل میں اس لڑکے کو حیدر آباد لے جایا گیا اور وہاں کینسر ہاسپٹل میں اس کا آپریشن کیا گیا۔

ان کی خواہش کے مطابق اگرتلا میں طالب علموں کے ساتھ ان کے دو مباحثی اجلاس منعقد کیے گئے۔ انھوں نے تر پورہ کی بانس کی صنعت کے بارے میں اور انناس کی کاشتکاری کو فروغ دینے اور اچھی فصل کیسے تیار کی جائے جیسے موضوعات پر تقریر کی۔

اگلے دن صدر منی پور تشریف لے گئے۔ انھیں وہاں کالے جھنڈے دکھائے گئے اور 'منی پور پیپلس لبریشن فرنٹ' نے ریاست کی راجدھانی امپھال میں بارہ گھنٹے کی عام ہڑتال کرائی۔ جب کبھی صدر یا وزیرِ اعظم کا ریاست کا دورہ ہوتا ہے تو اس نوعیت کا احتجاج کرنا اس گروہ کا عام وطیرہ بن چکا ہے۔ اسے نظر انداز کرتے ہوئے انھوں نے اپنی طے شدہ مصروفیات جاری رکھیں۔ امپھال کے نزدیک لیما کھانگ میں انھوں نے بھارت ہیوی الیکٹریکلس لمیٹڈ کے ذریعہ بنائے گئے ایک بھاری ایندھن کارخانے کا افتتاح کیا۔

25 اکتوبر 2002 کو شمال مشرق میں اپنے شیلانگ دورے میں انھوں نے حیاتیاتی تنوع کے موضوع پر ایک سمپوزیم کو خطاب کیا۔

اب تک وہ اس سرزمین سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے اور اس علاقے کو اپنے دائرۂ وژن میں سمیٹ چکے تھے۔ ڈاکٹر کلام نے وہاں ملک بھر سے آئے سائنسدانوں کے ایک بڑے اجتماع کو اپنا پُر مغز پیغام دیا۔

میگھالیہ کے بعد، اگلے دن وہ ناگالینڈ گئے اور وہاں کُذاما پبلک گراؤنڈ میں شہریوں کے ایک استقبالیہ میں شریک ہوئے۔ یہاں وہ ہزاروں کی تعداد میں اُمڈی بھیڑ کے بیچ سے گزرے اور انھوں نے اسکولی بچوں کے ساتھ کلام کیا۔ گورنر ایس سی جمیر نے بڑے پُر جوش انداز میں انھیں ''بابائے ناگالینڈ'' کہہ کر مخاطب کیا۔ جب ڈاکٹر کلام کے بولنے کی باری آئی تو انھوں نے کہا کہ ''ہم سب بھارت ماتا کی سنتان ہیں۔'' دہلی واپسی کے بعد اپنے شمال مشرق کے دورے کے تجربات و مشاہدات اور وہاں کے لوگوں کے مسائل کے بارے میں انہوں نے وزیرِ اعظم اٹل بہاری واجپئی کے ساتھ گفتگو کی۔

22 ستمبر 2005 کو انہوں نے سکم کا دورہ کیا۔ گورنر راما راؤ، وزیر اعلیٰ پون کمار چاملنگ اور ان کی پوری کابینہ نے ریاست میں پہلی بار آمد پر صدر محترم کا پُر جوش خیر مقدم کیا۔ راج بھون جانے والے راستے میں سڑک کے دونوں طرف بنائے گئے بیریکیڈوں میں صدر مملکت کا استقبال کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ایسا نظارہ گینگ ٹاک میں شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ شمال مشرق میں صدر کی تجاویز کو بے حد پسند کیا جاتا تھا۔

شام میں ایک بڑی تقریب کے دوران انھوں 25000 نشستوں سے آراستہ ''پلجر راسٹیڈیم'' کا افتتاح کیا۔ سکم کے بین الاقوامی شہرت کے حامل فٹ بال کھلاڑی بائی چنگ بھوٹیا اس پروگرام میں ان کے قریب بیٹھے تھے۔

24 ستمبر 2005 کو وہ اپنے پہلے سرکاری دورے پر میزورم میں ایزاول پہنچے۔ وہاں ان کا پہلا پروگرام ریاستی اسمبلی کو خطاب کرنا تھا۔ انھوں نے وہاں میزورم کی خوشحالی کے لئے مہم کی نوعیت کا سات نکاتی پروگرام پیش کیا۔ حیاتیاتی ایندھن کی مہم، بانس کی صنعت پر مبنی مہم، باغبانی مہم، پیرامیڈکس کی تربیتی مہم، سیاحتی مہم، مخصوص معاشی خطہ قائم کرنے کی مہم اور دیہی خوشحالی کے لئے (پرووائیڈنگ اربن ایمینیٹیز ٹو رورل ایریاز) یعنی دیہی علاقوں میں شہری آسائشیں فراہم کرنا۔ (پی یو آر اے) کے قیام کی مہم۔

اسمبلی سے خطاب کرنے کے بعد وہ ایزاول کے نزدیک سائرنگ نامی گاؤں میں گئے۔ گاؤں کے لوگوں نے انھیں اپنی شکایات کی عرضیاں پیش کیں۔ گورنر اے آر کوہلی اور وزیر اعلیٰ زورم تھنگا ان کے ہمراہ تھے۔ انھوں نے ان دونوں کے سامنے عوام کی شکایات پر مبنی عرضیاں رکھ دیں اور عوام کے علاقائی مسائل پر بحث کرنے لگے۔ لوگوں کی سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ انھیں علاقے کے چند امیر لوگوں کے زیر تسلط کچھ مفاد پرستوں کے ذریعہ علاقے کے وسائل تک رسائی سے محروم کیا جاتا ہے۔ دیر رات وہ ایزاول سے اے وی آر او کے ذریعہ گواہاٹی کے لئے روانہ ہو گئے، اگر چہ کہ وہاں رات میں اڑان بھرنے کی سہولیتیں دستیاب نہیں تھیں۔

انھوں نے وہاں صدارتی ٹرین سے بھی سفر کیا جو کہ عرصہ دراز سے استعمال میں نہیں تھی اور جونئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر مستقل طور پر دیکھ ریکھ میں کھڑی تھی۔ انھوں نے اس ٹرین سے سب

سے پہلے 30 مئی 2003 کو ہرنوت، بہار سے پٹنہ کا دورہ کیا تھا۔ اس کے بعد 2004 میں چندی گڑھ سے نئی دہلی اور 2006 میں دہلی سے دہرادون کے دو یادگار سفر کئے تھے۔ ڈاکٹر کلام سے پہلے اس ٹرین کو آخری بار 1977 میں جس صدرِ مملکت نے استعمال کیا تھا، وہ شری نیلم سنجیوا ریڈی تھے۔

ڈاکٹر کلام نے ٹرین کے سفر کے دوران اپنا وقت میٹنگیں منعقد کرتے ہوئے گزارا۔ ہرناتھ میں انھوں نے نتیش کمار کے ساتھ ایک ریلوے ورکشاپ کے لئے سنگِ بنیاد رکھا۔ نتیش کماران دنوں یونین ریلوے منسٹر تھے۔ ہرنوت سے پہلے ڈاکٹر کلام عہدِ قدیم کے تعلیمی مرکز نالندہ کے آثار دیکھنے گئے۔ جہاں انھوں نے نالندہ یونیورسٹی کے از سرِ نو احیا کا اعلان کیا۔ انھوں نے کہا ''میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ بہار اپنی اس عظیم درسگاہ کا احیاء عہدِ حاضر کے جدید نصابات کے ساتھ کریں گے، جس میں مملکتوں کے مابین امن اور میل جول کو بڑھاوا دینے والے موضوعات بھی شاملِ نصاب ہوں گے۔''

آگے چل کر بہار حکومت نے ڈاکٹر کلام کے اس خواب کی عملی تعبیر کر کے دکھائی اور ایک نئی یونیورسٹی عالمِ وجود میں آئی جس نے نالندہ یونیورسٹی کی تاریخی عظمت کا احیا کیا۔ عہدِ قدیم میں یہ درسگاہ بڑی علمی اہمیت کی جگہ اور میل ملاپ کو فروغ دینے کا مرکز مانی جاتی تھی۔

30 مئی 2003 کو پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر ڈاکٹر کلام نے اس وقت کے ایک دوسرے کے سخت سیاسی حریف نتیش کمار اور لالو یادو کو ایک ساتھ کھڑا کر دیا۔ ڈاکٹر کلام نے اپنی کتاب ''ٹرننگ پوائنٹس۔ اے جرنی تھرو چیلنجز'' میں لکھا ہے کہ ''پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر میں نے راشٹریہ جنتا دل کے سربراہ لالو پرساد یادو اور جنتا دل یونائٹیڈ کے روحِ رواں نتیش کمار کو دیکھا جو میرا استقبال کرنے کی خاطر وہاں پہنچے تھے لیکن دونوں مختلف سمتوں میں دیکھ رہے تھے، جیسے ہی ہم ٹرین سے باہر اترے تو میں ان دونوں سیاسی حریفوں کو قریب لے آیا اور انھیں آپس میں ہاتھ ملانے کے لئے مجبور کر دیا جسے دیکھ کر وہاں پہنچی لوگوں کی بھیڑ بڑی محظوظ ہوئی۔'' انھوں نے بہار کی ترقی کی خاطر دونوں کو ایک ساتھ متحد ہو کر کام کرنے کے لئے کہا۔

پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ بار اسوسی ایشن نے ستمبر 2003 میں ایک بین الاقوامی لیگل

کانفرنس کا انعقاد کرایا، جس کا افتتاح ڈاکٹر کلام نے کیا۔ انھوں نے قومی ترقی کے لئے 'انصاف اور انسانی حقوق' کے موضوع پر تقریر کی۔ انھوں نے کہا ''کسی سماج کی ترقی اور ارتقا میں قوانین اور عدلیہ انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک ترقی پذیر سماج میں جب نئے مواقع اور چیلینجز سامنے آتے ہیں تو تنازعات کو حل کرنے اور انصاف دغیر جانبداری کو یقینی بنانے کے ضمن میں قانون بنیادی طور پر توازن برقرار رکھنے کا کردار ادا کرتا ہے۔ قانون لوگوں کی بھلائی اور سماج کی بہبود کے آلۂ کار کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔''

انھوں نے قانونی تنازعات کے حل کے ضمن میں نچلی سطح ہی سے اطلاعاتی اور مواصلاتی تکنالوجی کے استعمال کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر کلام نے مختلف عدالتوں میں بڑی تعداد میں جمع ہو جانے والے مقدمات کو تیز رفتاری سے نپٹانے کے لئے چلتی پھرتی عدالتوں کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ تیز رفتاری سے انصاف بہم پہنچانے کے لئے چلتی پھرتی عدالتیں خود قصبوں اور گاؤوں میں پہنچ سکتی ہیں، بشرطیکہ سرکار پہلے لوگوں میں ان کی دہلیز تک انصاف پہنچانے کے اس طریقۂ عدل کے بارے میں بیداری پیدا کرے۔ اس کے بعد ہی اس پر عمل آوری ممکن ہے۔

5 جنوری 2004 کو ڈاکٹر کلام نے چنڈی گڑھ میں چلڈرنس سائنس کانگریس کا افتتاح کیا اور وہاں سائنٹیفک کمیونٹی کو خطاب کیا۔ دھندلی موسمی صورت حال کے سبب وہ بذریعہ ٹرین واپس آگئے۔ کامیاب آئی ایم اے (انڈین ملٹری اکیڈمی) افسروں کی پریڈ کی صدارتی رسم سلامی کے لئے دہرادون کا یہ سفر ان کا ٹرین سے تیسرا سفر تھا۔

15 اکتوبر 2004 کو وہ میسور کے سُتّور گاؤں میں پہنچے اور وہاں انھوں نے جگت گرو شری شیوراتری دیشی کیندر مہاسوامی جی کے سُتّور مٹھ میں رہنے والے بچوں کے ساتھ اپنی سالگرہ منائی۔ جگت گرو مہاسوامی جی نے جے ایس ایس مہاودیا پیٹھ کے نام کے تحت ملک بھر میں کئی تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں طالب علموں کو اخلاقی اقدار کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر کلام نے اپنی سالگرہ کے موقع پر مٹھ کے ذریعہ منعقد کی گئی قومی یوتھ کانفرنس کو بھی خطاب کیا۔ انھوں نے ''تعلیمی نظام کی جہات'' جیسے اہم موضوع پر تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ جے ایس ایس مہاودیا پیٹھ کی مخصوص بات یہ ہے کہ یہ عوام کی بنیادی، ثانوی، گریجویٹ سے لے کر پوسٹ گریجویٹ سطح تک کی تعلیمی ضروریات کو

پورا کرتی ہے۔ پیشہ ورانہ تربیت دلانے لے لئے انھوں نے کئی ادارے قائم کئے انھوں نے کہا کہ کسی قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لئے تعلیم سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔

انھوں نے جموں و کشمیر کے کئی بار دورے کئے۔ وہاں کے عوام کو قومی دھارے سے منسلک کرنے کے لئے انھوں نے سخت محنت کی۔

سرینگر میں 28 جولائی 2006 کو انھوں نے جموں و کشمیر اسمبلی اور لیجسلیٹو کاؤنسل کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کیا۔ انہوں نے اراکینِ مجلسِ قانون ساز کو ریاست میں امن اور خوشحالی کے لئے کام کرنے کی نصیحت کی۔

انھوں نے اراکینِ مجلسِ قانون ساز سے کہا: "مجھے ڈل جھیل کے کنارے واقع حضرت بل مزار کی زیارت، جہاں پیغمبرِ اسلام کے مقدس باقیات موجود ہیں، ویشنو دیوی کی یاترا، جہاں دیوی مہا کالی، مہالکشمی اور مہا سرسوتی براجمان ہیں، لیہہ میں واقع گومپا بدھ خانقاہ، دنیا کے سب سے اونچے گرودوارے، گرودوارہ پتھر صاحب کا سفر یہ سب یاد آتے ہیں۔ میں کشک بکولا رمپوچہ سے ملا تھا جسے تیرہویں دلائی لامہ نے بکولا ارھٹ کی تجسیم نو کے طور پر مانا ہے۔ یہ ایک روحانی خطہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان روحانی مراکز سے امن کی جس روشنی کا ظہور ہو رہا ہے وہ عوام کو متحد کرے گی اور خوشحالی لائے گی۔"

مجلسِ قانون ساز اور کونسل کے مشترکہ اجلاس میں انھوں نے جموں و کشمیر کے لئے ایک مہم کا خاکہ پیش کیا۔ اپنی موثر پیشکش میں انھوں نے اراکینِ مجلسِ قانون ساز کے سامنے ہائیر پر کیپیٹا انکم (اونچی فی کس آمدنی) اور ریاست کے عوام کے بہتر معیارِ زندگی کے لئے ایک مربوط لائحۂ عمل تیار کیا تھا۔ انہوں نے ایک سات نکاتی مہم پیش کی جس میں (ا) باغبانی (ب) پھلوں کی پیداوار اور تحفظاتی عمل (پ) سبزیوں کی کاشتکاری (ت) زعفران کی کاشتکاری (ٹ) پھولوں کی کاشتکاری (ث) جموں و کشمیر کو جاں بازی کے کھیلوں پر مبنی سیاحت کے بشمول عالمی سیاحتی مرکز بنانا اور (ج) روحانی وثقافتی مرکز بنانا شامل تھے۔

ڈاکٹر کلام نے تنگ دھار، اُری، اُروسہ کا بھی دورہ کیا اور وہاں 2005 کے تباہ کن زلزلے سے برباد ہونے والے لوگوں اور بچوں سے ملاقات کی۔ اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ شری غلام نبی

آزاد بھی ان کے ہمراہ تھے۔

2007 میں اپنے عہدے سے دستبردار ہوتے وقت اراکین پارلیمینٹ کے سامنے اپنے الوداعی خطاب میں انھوں نے اپنے اس دورے کا یوں ذکر کیا تھا: ''میں 26 نومبر 2005 کو جموں و کشمیر کے اُروسہ گاؤں گیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اسکول کی عمارت بری طرح سے تباہ ہو چکی تھی۔ پھر بھی خیموں میں کلاسیں چل رہی تھیں۔ میں نے اُروسہ کے لوگوں میں اپنے مسائل سے لڑنے کی ہمت کی داد دی۔ نقصانات سے مایوس ہوئے بغیر انھوں نے اپنے مسائل پر قابو پایا اور مسائل کو اپنے آپ پر طاری نہیں ہونے دیا۔''

وہ کئی بار حیدرآباد گئے لیکن ہر بار انھوں نے آندھرہ پردیش کے دوسرے مقامات کا دورہ بھی کیا اور ساتھ ہی ان علاقوں کا بھی جواب تیلنگانہ کا حصہ ہیں۔ ان کے زیادہ تر دوروں میں ان کے ساتھ اس وقت کے آندھرہ پردیش کے وزیر اعلیٰ شری چندر بابو نائیڈو بھی رہے۔ درحقیقت حیدرآباد کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ عوام کے اس ہردلعزیز صدر نے اپنے دورِ صدارت میں سب سے زیادہ یعنی مجملہ 22 دورے حیدرآباد کے کیے۔ اس کے بعد چنئی کا نمبر آتا ہے۔ جہاں وہ 18 بار گئے اور بینگلور 16 مرتبہ۔ اور تقریباً جتنی بار بھی انھوں نے دورے کئے ہر بار وہ ریاست کے اہم شہروں کے علاوہ دیگر ذیلی مقامات پر بھی ضرور گئے۔

26 نومبر 2002 کو اپنے حیدرآباد کے پہلے دورے میں ڈاکٹر کلام کو نظام انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسیس (این آئی ایم ایس) کے جلسہ تقسیم اسناد میں مدعو کیا گیا تھا۔ پروفیسر ککر لا سبّا راؤ، این آئی ایم ایس کے ڈائرکٹر اور وائس چانسلر تھے۔ ڈاکٹر سبّا راؤ نے 'ہندوستان میں صحت کی دیکھ بھال' پر ایک رپورٹ تیار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ رپورٹ اس وقت تیار کی گئی تھی جب ڈاکٹر کلام پرنسپل سائنٹیفک ایڈوائیزر کے عہدے پر فائز تھے۔

اس جلسہ تقسیم اسناد کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے کہا، ''ہندوستان کی پوری آبادی کے لئے کفایتی اور موثر صحت کی دیکھ ریکھ فراہم کرنے کا تصور کسی فرد، ادارے اور تنظیم کی استطاعت کے باہر کی بات تھی۔ بڑے پیمانے پر مالی وسائل اور انسانی مہارت کی ضرورت پڑے گی۔ اس وژن کو کثیر تنظیمی مہمات کی شکل دینے کی ضرورت پڑے گی جسے بروئے کار لانے کے

لئے ہزاروں با مقصد پروجیکٹ تیار کرنا پڑیں گے۔ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہ صرف حکومت بلکہ ہماری صنعتوں اور رفاہی تنظیموں کے تعاون کی بھی ضرورت پڑے گی۔''

دسمبر 2002 میں انٹرنیشنل کراپ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ فار دی سیمی ایریڈ ٹروپکس (آئی سی آر آئی ایس اے ٹی) حیدرآباد نے اپنے تیرہویں سالانہ جشن کے سلسلے میں انھیں مدعو کیا تھا۔ اس وقت تک وہ محض ایک میزائل مین کے طور پر نہیں دیکھے جاتے تھے، بلکہ اب انھیں ایسے سائنسداں کے طور پر سمجھا جانے لگا تھا جو ٹکنالوجی کو سماجی بہبود کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس ادارے میں بڑی تعداد میں ملک و بیرونِ ملک کے سائنسداں سرگرمِ عمل ہیں۔ آئی سی آر آئی ایس اے ٹی کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر ولیم ڈار نے ڈاکٹر کلام کا استقبال کرتے ہوئے کہا: ''محترمی، آپ کی آمد سے ہماری آن میں دوگنا اضافہ ہوا ہے، کیونکہ آپ نہ صرف صدرِ مملکت ہیں بلکہ آپ ہم ہی میں سے، ایک سائنسداں ہیں۔ ہم آپ کے غذائی خود کفیل ہندوستان کے خواب کے حامی ہیں۔''

10 اکتوبر 2003 کو تمل ناڈو کے شری پیرم بدور میں انھوں نے شری راجیو گاندھی کی شہادت کی یاد میں تعمیر کیے گئے 'یادگار' کو قوم کی نذر کیا۔ شری راجیو گاندھی جو اس وقت اے آئی سی سی کے صدر اور ہندوستان کے سابق وزیرِ اعظم تھے، 21 مئی 1991 کو ایک بم دھماکے میں اس وقت جاں بحق ہو گئے تھے، جب کہ وہ ایک الیکشن میٹنگ میں خطاب کرنے کے لئے شری پیرم بدور جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ کم از کم پندرہ دوسرے لوگ بھی مارے گئے تھے۔ محترمہ سونیا گاندھی، جناب راہل گاندھی اور محترمہ پرینکا گاندھی واڈرہ اس موقع پر وہاں ان کے ساتھ موجود تھے۔ ڈاکٹر کلام نے شری راجیو گاندھی کی شہادت کو اور ملک کی ترقی کے تئیں ان کی خدمات کو یاد کیا اور ان کے لئے خراجِ تحسین پیش کیا۔ شری راجیو گاندھی کے ساتھ اپنی ان ملاقاتوں کا بھی ذکر کیا، جب ڈاکٹر کلام خود آئی جی ایم ڈی پی (مربوط راہبر دار بالیدگی میزائل پروگرام) کی سربراہی کر رہے تھے اور راجیو گاندھی ملک کے وزیرِ اعظم تھے۔

جون 2003 میں انھوں نے چنئی میں پیٹرسن کینسر سینٹر کا افتتاح کیا اور کینسر کے مریضوں کے علاج کے لئے جدید ترین سہولیات بہم پہنچانے کے لئے ڈاکٹروں کا استقبال کیا۔

ڈاکٹر کلام نے 11 جون 2004 کو کرناٹک موسیقی کی قابلِ تعظیم شخصیت، بھارت رتن

محترمہ ایم ایس سُبھا لکشمی کے انتقال پر ان کی رہائش گاہ پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک بار پھر چنئی کا دورہ کیا۔ آنجہانی سبا لکشمی کے تئیں اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرنے کے لئے وہ ہوائی اڈے سے سیدھے ان کے گھر کوٹر پورم پہنچے ۔ڈاکٹر کلام نے ان کے تئیں بڑے گہرے جذبۂ احترام کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''وہ موسیقی کے ماحول میں پیدا ہوئیں اور موسیقی ہی میں انھوں نے اپنی زندگی بسر کی اور آخر میں وہ موسیقی کی دیوی میں تبدیل ہوگئیں ۔سب سے بڑی اچھائی جو انھوں نے ملک کے لئے کی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے ہم سب کو 'اچھا انسان' بننے کی طرف گامزن کیا ہے۔''

وہ کئی بار اتر پردیش گئے ۔16 فروری 2014 کو وہ اٹاوہ میں سَیفَئی تشریف لے گئے جو کہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو کا آبائی گاؤں تھا۔ وہاں ملائم سنگھ یادو اور اکھلیش یادو (جو اس وقت رکنِ پارلیمینٹ تھے) کی موجودگی میں ڈاکٹر کلام نے سَیفَئی اسٹیڈیم میں جا کر 40,000 کسانوں اور دیگر لوگوں کو خطاب کیا۔ انھوں نے اپنا خطاب ہندی میں شروع کیا اور کہا کہ تھوڑی بہت ہندی جو وہ جانتے ہیں، انھوں نے ملائم سنگھ یادو سے اس وقت سیکھی تھی جب وہ یونائیٹڈ فرنٹ حکومت کے دور میں وزیر دفاع کے سائنٹیفک ایڈوائزر تھے۔اس کے بعد جب انھوں نے انگریزی میں بولنا شروع کیا تو میں ساتھ ساتھ ہی ان کی باقی تقریر کا ترجمہ کرتا گیا۔ انھوں نے کہا: ''دیہاتوں کو معاشی طور پر آگے بڑھنا ہوگا۔ ہندوستان کا دل گاؤوں میں بسا ہے کیونکہ ملک میں 5,83,000 دیہات ہیں اور ہماری آبادی کا 75 فیصدی حصہ وہیں رہتا ہے۔گاؤں کی نشوونما ہی قومی ترقی کی اساس ہے !''

ڈاکٹر کلام نے سَیفَئی کی ترقی میں شری ملائم سنگھ یادو کی کوششوں کی بڑی تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ ایک دن ہندوستان کا ہر گاؤں اتنا ہی ترقی یافتہ بن جائے گا۔ جتنا کہ یہ گاؤں ہے۔

اِٹاوہ سے مین پوری کو جوڑنے کے ریل راستے کا سنگِ بنیاد رکھنے کی ایک دوسری تقریب میں صدر ڈاکٹر کلام نے ملک کی دانشورانہ رہنمائی کرنے میں ہندوستان کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست اتر پردیش کی خدمات کا تذکرہ کیا۔

''اتر پردیش نے تعلیم کے میدان میں ملک کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے۔ملک کے اس

حصے میں پنڈت مدن موہن مالویہ اور سرسید احمد خاں نے شہرۂ آفاق تعلیمی ادارے قائم کئے تھے۔ یہیں بھکتی تحریک کے روحِ رواں تلسی داس، ولبھ آچاریہ، سُور داس، کبیر اور رَوی داس پیدا ہوئے۔ انہی اشخاص کی بدولت ملک بھر میں روحانی افکار کی روشنی پھیلی۔''

ڈاکٹر کلام پنجاب کی 'کالی بین' نامی ندی بھی دیکھنے گئے جہاں، مانا جاتا ہے کہ گرونانک دیو کو علم کی روشنی حاصل ہوئی۔ گزرتے وقت کے ساتھ، جھاڑ جھنکار اور غلاظت کے انبار کے سبب یہ ندی گندے نالے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ سنت بابا بلبیر سنگھ نے پنجاب حکومت کی ساجھیداری میں اس چھوٹی سی ندی کو صاف کرنے کی مہم چلائی۔ جب ڈاکٹر کلام اس چھوٹی ندی کو دیکھنے گئے تو انھوں نے اظہار خیال کیا کہ ''یہاں روحانیت ساجیاتی مہم کی شکل اختیار کر گئی ہے۔'' بابا نے پنجاب کے گاؤوں میں ہزاروں لوگوں کو درس دیا کہ کیسے پانی کو استعمال کیا جائے اور کیسے ندی کی صفائی کی جائے۔ ان کا یہ کام دنیا بھر میں ندیوں کو صاف شفاف رکھنے کے معاملے میں اب ایک مثالی کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

بابا نے ڈاکٹر کلام سے کہا کہ انھوں نے اس کام کو گرونانک صاحب کے ایک شلوک سے ترغیب پا کر شروع کیا تھا، جس میں پانی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ: 'پَوَن گرو، پانی پِتا، ماتا دھرتی مان تُو'

حال ہی میں بابا نے ڈاکٹر کلام کی 'کالی بین' ندی پر آمد اور ان سے ملنے والی ترغیب کا ذکر کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ ''صدر عبدالکلام یہاں دو بار تشریف لائے اور یہاں کے کام کو ملک کا بڑا کارنامہ قرار دیا اور ان کی تشریف آوری میرے لئے یادگار سانحے کی حیثیت رکھتی ہے۔''

وہ 6 نومبر 2005 کو نئی دہلی میں سوامی نارائن اکشر دھام کلچرل کامپلیکس کو قوم کے نام معنون کرنے کے لئے وہاں پہنچے۔ ان کے ساتھ وزیرِ اعظم شری منموہن سنگھ اور بی جے پی کے رہنما شری ایل کے اڈوانی بھی موجود تھے۔

انھوں نے اس موقع پر کہا کہ اکشر دھام ایک مربوط کامپلیکس ہے جو قدیم ہندوستانی ثقافت اور وراثت کی نمائندگی کرتا ہے۔ انھوں نے پرمکھ سوامی مہاراج کے کردار کی تعریف کی اور 13 جون 2001 کو سوامی جی کے ساتھ گاندھی نگر میں ان سے پہلی ملاقات کو یاد کیا۔ سائنس اور

روحانیت کے امتزاج اور قومی ترقی کی راہ میں ان کے اہم کردار پر دونوں نے گفتگو کی۔

28 اپریل 2006 کو ڈاکٹر کلام کا ایک اور یادگار دورہ سرکھیج روزے کا تھا۔ اس مقام کو احمد آباد کا ''ایکروپولس'' مانا جاتا ہے۔ شہر کی 600 سالہ تاریخ میں سرکھیج روزے کو شہر کی ''آن'' کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ احمد آباد کے نزدیک مکربہ نامی گاؤں میں ایک مسجد اور مزار پر مبنی عمارت ہے۔ مشہور ماہر تعمیرات لے کاربزیئر نے اس عمارت کی مسجد کے ڈیزائن کا موازنہ ایتھنس کے ایکروپولس کے ساتھ کیا تھا تبھی سے اسے ایکروپولس کے طور پر جانا جانے لگا۔ ''ایتھنس کے ایکروپولس'' کا بیان اس کتاب کے باب بعنوان ''ڈاکٹر کلام کے بیرونِ ملک دورے'' میں شامل کیا گیا ہے۔

شری نریندر مودی اور دیگر اعلیٰ افسران کے ہمراہ ڈاکٹر کلام نے اس عمارت میں ایک گھنٹہ گزارا اور صوفی بزرگ شیخ احمد گنج بخش کے مزار پر چادر چڑھائی۔ شیخ صاحب کا یہ مزار عمارت کے احاطہ کے اندر ہی ہے۔ ان کا انتقال 1445 میں ہوا تھا۔ احاطہ میں بنی ہوئی مسجد میں ڈاکٹر کلام نے مغرب کی نماز بھی ادا کی۔ ایک زمانے میں سرکھیج ملک کی صوفیانہ ثقافت اور روایات کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ سلطان احمد شاہ نے شیخ احمد گنج کے مشورے ہی پر سابرمتی کے کنارے اپنا دارالخلافہ تعمیر کرایا تھا اور اس کا نام احمد آباد رکھا گیا تھا۔

ڈاکٹر کلام نے اپنے مدتِ کار میں 12 ریاستی اسمبلیوں کو خطاب کیا تھا۔ یہ ریاستیں جموں وکشمیر، ہماچل پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، گوا، کرناٹک، کیرالہ، آندھرا پردیش، میزورم، میگھالیہ، سکم اور پانڈیچیری تھیں۔ ان ریاستی اسمبلیوں میں، ریاستوں کی خوشحالی کے لئے چلائی جانے والی مہموں کے ڈاکٹر کلام نے جو پاور پوائنٹ پرزینٹیشن تیار کئے تھے وہ ریاست کے سماجی و معاشی منظر نامے اور کاشتکاری، صنعت اور سروس سیکٹر میں اس کی صلاحیت کو ملحوظ رکھ کر تیار کئے گئے تھے۔

کیرالہ میں ڈاکٹر کلام کی ''کیرالہ کی خوشحالی کی مہم'' پر وہاں کے سرکردہ میڈیا ہاؤس ''ملیالم منورما'' نے ضلعی سطح کی ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا تھا۔ اس ورکشاپ میں مختلف شعبوں سے آئے ماہرین نے حصہ لیا تھا اور ان کی سفارشات ریاستی مجلسِ قانون ساز کو بھیج دی گئی تھیں۔

ڈاکٹر کلام نے 2007 میں کرناٹک کے سدھ گنگا مٹھ ٹمکر میں سری سری سوا کمارا سوامی گالو کے سو سالہ جشنِ یوم پیدائش کے موقع پر سری سری سوامی گالو کے لاکھوں عقیدتمندوں کی موجودگی میں شرکت کی۔ اپنی عمر کے سو سال پورے ہونے پر سوامی جی نے اپنے عقیدتمندوں کے لئے جو دعائیہ فی البدیہہ تقریر کی اس سے ڈاکٹر کلام بڑے متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر کلام نے سوامی جی کو عمر کے سو سال پورا کرنے پر مبارکباد دی اور سیکڑوں تعلیمی ادارے، بچوں کے گھر اور یتیم خانے تعمیر کرانے کے لئے ان کی ستائش کی۔ ڈاکٹر کلام نے سماج میں چاروں طرف خوشیاں پھیلانے والے سوامی جی اور ان کے جیسے کئی دوسروں کے کارناموں سے متاثر ہو کر ایک نظم لکھی:

میں کیا دے سکتا ہوں؟
اوہ۔ میرے پیارے شہریو!
دینے میں ہی تمھیں سرور ملے گا
جسم اور روح کا۔
تمہارے پاس، دینے کے لئے سب کچھ ہے
تمہارے پاس علم ہے تو اسے ساجھا کرو۔
تمہارے پاس وسائل ہیں تو انھیں ضرورت مندوں میں تقسیم کرو
تم اپنا دماغ اور دل بروئے کار لاؤ
مصائب کا درد والم رفع کرو اور دردمند دلوں کی چارہ جوئی کرو
دینے ہی میں تمھیں سرور ملے گا
پروردگار تمھارے تمام اعمال پر رحمت نازل فرمائے گا۔

نئی دہلی سے باہر ان کے دوروں کے دوران میں نے ان کے ہندی اور اردو بولنے والے ناظرین کے لئے وقتاً فوقتاً مترجم کا کردار بھی ادا کیا تھا۔ میں ان کے الفاظ کا ترجمہ ساتھ ساتھ ہی کر دیا کرتا تھا تاکہ انھیں آسانی سے بات سمجھ میں آجائے۔ ان کے مشہور خطبات میں سے چند، جنکا میں نے ترجمہ کیا تھا، وہ یہ ہیں۔ جموں وکشمیر کی ہند و پاک سرحد پر واقع اُری اور ٹنگ دھار علاقے میں جوانوں کے لئے پیش کیا گیا ان کا خطبہ، میک موہن لائن پر ہند و چین سرحد پر پیش کیا

گیا خطبہ، پٹنہ میں امارت شریعہ سے خطاب، مونگیر (بہار) میں خانقاہ رحمانی سے خطاب، شری ملائم سنگھ یادو کے آبائی گاؤں سیفئی میں (کم از کم 40000 لوگوں کے روبرو) ان کا خطاب، نانا جی دیش مکھ کے چتر کوٹ آشرم کے دورے سے قبل مدھیہ پردیش میں پٹنی گاؤں میں خطاب، دین دیال اپادھیائے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ چتر کوٹ، میں 400 ویں پرکاش اُتسو اور دہلی میں گرودوارہ رکاب گنج میں اسی نوعیت کے پروگرام میں خطاب۔

ان تمام خطبات میں ان کا پیغام آفاقی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن جزوی اور علاقائی مسائل بھی اس میں اپنی واجب جگہ پاتے تھے۔ ہر جگہ وہ انڈیا 2020 کا ایسا تصور پیش کرتے تھے کہ جس میں وسائل کی مساوات پر مبنی تقسیم اور شہریوں کو تعلیم اور اختیار دے کر شہری اور دیہی خلیج کو مٹایا جا سکے۔ وہ ایک ایسا نظام قائم کرنے کے حق میں تھے جس میں عوام کو بہترین تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال کا اختیار ملے، جہاں ذمے دار، شفاف اور جواب دہ حکومت ہو۔ جہاں بھی انھوں نے تخاطب کیا، بڑے جذبات کے ساتھ کیا۔ سامعین تک ان کا پیغام پہنچانے کے لئے وہ ہمیشہ میری پذیرائی کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ میرا تعارف کراتے ہوئے یوں کہتے تھے کہ ''میرے ساتھی، ایس ایم خان ہندی میں ساتھ ساتھ ترجمہ کریں گے۔'' یہ ان کی عظمت تھی کہ سامعین سے تعارف کراتے وقت وہ اپنے افسروں کو اپنا ساتھی یا دوست کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ان کا پیغام بہت واضح اور صاف ہوتا تھا۔ ہم اپنے ماضی کے کارناموں سے مطمئن ہو کر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں تکنالوجی، صنعت و حرفت، زراعت، کاروبار، نظامِ حکمرانی اور طرزِ قیادت میں اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھنا ہوگا۔ قومی قیادت کو ہمارے عوام میں اعتماد کی فضا قائم کرنا ہوگی اور ہم یہ کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کلام اندرونِ ملک، سب سے زیادہ سفر کرنے والے صدر رہے ہیں۔ وہ اپنی مدتِ صدارت میں لکش دیپ کو چھوڑ کر ساری ریاستوں اور یونین ٹیری ٹریوں میں گئے ہیں۔ ان کے 175 داخلی اسفار بڑے توسیعی نوعیت کے تھے جن میں ریاستی راجدھانی، ضلعی مستقروں اور دیہی علاقوں میں ان کی کئی مصروفیات شاملِ حال ہوتی تھیں۔ وہ وہاں کے ترقیاتی کاموں کا معائنہ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں عوام کے مسائل کا راست طور پر ذکر کیا کرتے تھے۔

میں ان کا پیغام آسان زبان میں بیان کر دیتا تھا، جس کی لوگ ہمیشہ ستائش کرتے تھے۔ کیونکہ میں ان کے ذہن کو سمجھ چکا تھا، اس لئے انہی کے انداز میں پیغام کی ترسیل کرنا میرے لئے آسان عمل تھا۔

ڈاکٹر کلام اپنی تقریر میں ہر جگہ یہ کہتے تھے کہ انھیں کوئی بھی اپنا میسج ای میل سے بھیج سکتا ہے اور وہ یقینی طور پر اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اس کا جواب دیں گے۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ اس بات کا علان بلند اور پُر زور انداز میں کیا جائے جس کی اسی نہج میں خاطر خواہ پذیرائی ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ کچھ وقت بعد اس معاملے میں صورتِ حال قابو سے باہر ہونے لگی تھی۔ ان کے پاس ہزاروں کی تعداد میں پیغامات اور عرضیاں آنے لگیں۔ نتیجتاً ان کا میل باکس غیر معمولی طور پر بھر گیا۔ بلاشبہ وہ ایک ہر دلعزیز صدر تھے جو لوگوں کے ساتھ منسلک رہنا پسند کرتے تھے۔

طلبا کے ساتھ بھی گفتگو کرتے وقت، میں ان کی بات چیت میں مدد کیا کرتا تھا۔ خصوصاً ان بچوں کے ساتھ جو انگریزی سے اتنے مانوس نہیں ہوتے تھے، حالانکہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ طلبا کے ساتھ براہِ راست گفتگو ہی کو ترجیح دیتے تھے۔

مردِ باہمت

ڈاکٹر کلام کو بچوں اور طلبا سے خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ وہ طلبا اور نوجوان نسل سے حوصلہ مندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے کہا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زندگی میں چھوٹا سا نصب العین رکھنا ایک گناہ کے مترادف ہے۔ نوجوانوں میں نہج سے ہٹ کر سوچنے کا حوصلہ ہونا چاہیے اور ناقابلِ تسخیر راستوں کو تسخیر کرنا چاہیے۔ مشکلیں در پیش آئینگی، مگر ان سے گھبرانا نہیں چاہیے اور ہمیں رکاوٹوں کو اپنی فہم و فراست اور انتھک مساعی سے پار کر لینا چاہیے۔

فیصلہ لیتے وقت وہ خود بھی ہمیشہ نڈر اور باہمت رہتے تھے۔ چاہے روز بروز کے نسبتاً چھوٹے موٹے فیصلے ہوں یا بڑی ہمت کے حامل ملک کی بہبود پر اثر انداز ہونے والے فیصلے ہوں۔ وہ 24 ستمبر 2005 کو اَیزاول (میزورم) پہنچے۔ یہ ایک اَیزاول اور اس کے آس پاس کے علاقے کا دوروزہ دورہ تھا۔ وہاں انھوں نے اپنے تمام پروگرام ایک ہی دن میں پورے کر لیے تھے۔ ان کا نئی دہلی میں اگلے روز ایک پروگرام پہلے ہی سے طے تھا۔ جو وہ ترک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انھیں گواہاٹی ہوتے ہوئے واپس آنا تھا۔ اَیزاول سے انھیں ایورو کے توسط سے گواہاٹی پہنچنا تھا اور اس کے بعد بوئنگ کے ذریعہ دہلی آنا تھا۔

چونکہ وہ اگلے دن جلدی نئی دہلی پہنچنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اَیزاول سے اسی روز دیر

مردِ باہمت

ڈاکٹر کلام کو بچوں اور طلبا سے خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ وہ طلبا اور نوجوان نسل سے حوصلہ مندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے کہا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زندگی میں چھوٹا سا نصب العین رکھنا ایک گناہ کے مترادف ہے۔ نوجوانوں میں نہج سے ہٹ کر سوچنے کا حوصلہ ہونا چاہیے اور ناقابلِ تسخیر راستوں کو تسخیر کرنا چاہیے۔ مشکلیں در پیش آئینگی، مگر ان سے گھبرانا نہیں چاہیے اور ہمیں رکاوٹوں کو اپنی فہم و فراست اور انتھک مساعی سے پار کر لینا چاہیے۔

فیصلہ لیتے وقت وہ خود بھی ہمیشہ نڈر اور باہمت رہتے تھے۔ چاہے روز بروز کے نسبتاً چھوٹے موٹے فیصلے ہوں یا بڑی ہمت کے حامل ملک کی بہبود پر اثر انداز ہونے والے فیصلے ہوں۔ وہ 24 ستمبر 2005 کو ایزاول (میزورم) پہنچے۔ یہ ایک ایزاول اور اس کے آس پاس کے علاقے کا دو روزہ دورہ تھا۔ وہاں انھوں نے اپنے تمام پروگرام ایک ہی دن میں پورے کر لیے تھے۔ ان کا نئی دہلی میں اگلے روز ایک پروگرام پہلے ہی سے طے تھا۔ جو وہ ترک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انھیں گواہاٹی ہوتے ہوئے واپس آنا تھا۔ ایزاول سے انھیں ایورو کے توسط سے گواہاٹی پہنچنا تھا اور اس کے بعد بوئنگ کے ذریعہ دہلی آنا تھا۔

چونکہ وہ اگلے دن جلدی نئی دہلی پہنچنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے ایزاول سے اسی روز دیر

رات واپسی کا ارادہ کرلیا تھا۔ ایئر فورس اڑان بھرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کیونکہ ایئر اول کے ہیلی پیڈ میں رات میں اڑان بھرنے اور جہاز اُتارنے کی سہولت موجود نہیں تھی۔ تب بھی ڈاکٹر کلام کا خیال تھا کہ اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوجائے یا خدانخواستہ بیرونی حملہ ہو تو انھیں فوری طور پر اڑان بھرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے! انڈین ایئر فورس نے ایئر اسٹاف کے چیف سے دہلی میں رجوع کیا۔ نتیجتاً ایئر فورس کو تندہی کے ساتھ سرگرمِ عمل ہونا پڑا۔ حالانکہ ایئر فورس کو اعتماد تھا کہ وہ اڑان بھرلیں گے لیکن اگر کوئی دشواری پیدا ہوجائے اور اگر جہاز کو واپس لانا پڑے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ آخر کار 9:00 بجے اڑان بھری گئی اور آدھی رات کو وہ گواہاٹی پہنچ گئے اور دوسرے دن صبح 4:00 بجے دہلی۔ اپنی ہمت اور عزم ہی کی بدولت ڈاکٹر کلام نے 8 جون 2006 کو سکھوئی سے اُڑان بھری اور 13 ستمبر 2006 کو سب میرین میں وشاکھاپٹنم کے ساحل سے زیرِ سمندر سفر کیا۔ سکھوئی میں اپنی اس پرواز کے بعد انھوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ سے ایک پائلٹ بننا چاہتے تھے اور اس اُڑان سے ان کی ہوابازی کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی ہے۔ یہ 7.5 کلومیٹر کی بلندیوں تک سُپر سونک رفتار سے اُڑنے والی پینتالیس منٹ کی پرواز تھی۔ ڈاکٹر کلام نے اس ایئر کرافٹ کو پندرہ منٹ بذاتِ خود چلایا۔ وہ اس سکھوئی ایئر کرافٹ سے پونا کے قریب لوہے گاؤں کے ایئر فورس اسٹیشن سے جب اُترے تو ایک جنگجو طیارے سے پرواز کرنے کے اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر پر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر کلام پہلے ہندوستانی صدرِ مملکت تھے جنھوں نے سب میرین میں سفر کیا۔ آئی این ایس سندھو رکشک نے انھیں لے کر وشاکھاپٹنم کے ساحل سے تقریباً پانچ میل کی دوری پر پہنچ کر پچاس میٹر کی گہرائی کا غوطہ لگایا۔ ان کے ساتھ اس زمانے کے بحریہ کے چیف جناب ارون کمار بھی تھے۔

دلچسپی کی بات ہے کہ ڈاکٹر کلام نے دہرادون کے پائلٹ کی تقرری کے امتحان اور ٹیسٹ برائے شخصیت میں بھی شرکت کی تھی۔ بدقسمتی سے وہ اس میں منتخب نہیں ہوئے تھے۔ انتہائی غم و غصہ کے عالم میں وہ رشی کیش کے سوامی شوانند کے آشرم میں جا پہنچے تھے، جنھوں نے انھیں زندگی میں دوبارہ آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا اور مایوس ہونے سے منع کیا۔ آگے چل کر وہ اے ڈی اے میں ریسرچ سائنسداں کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس کے بعد ان کی تقرری اسرو اور ڈی آر ڈی او میں بھی ہوئی لیکن دور دراز

خلاؤں میں کچھ کرنے کا انکا فطری جذبہ کبھی دھندلا نہیں ہوا تھا اور وہ وقت بھی آیا کہ جب وہ ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل بڑے خلائی سائنسداں بن گئے۔ انھوں نے اِسرو میں سودیشی سیٹیلائٹ لانچ وہیکل (ایس ایل وی۔3) بنانے کے ایک پروگرام کی سربراہی کی اور زمین کے مدار میں روہنی کی تنصیب بھی کی۔ اس پروجیکٹ کا بنیادی مقصد موسمیات، تحقیق اور آئی سی ٹی نظام کے استعمال کے لئے خالص سودیشی تکنالوجی سے تیار کئے گئے سیٹیلائٹوں کو خلا میں تنصیب کرنے کے لئے ایک مکمل طور پر دیسی طریق کار سے لانچ وہیکل کو ملک میں ہی بنانا تھا۔ اُن کی سربراہی میں 500 سائنسدانوں پر مبنی ایک ٹیم نے 1979 میں اس کا پہلا تجربہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ ناکام رہا تھا اور سیٹیلائٹ زمین کے مدار کو پار نہ کر سکا تھا۔ وہ اپنے چوتھے مرحلے میں خلیج بنگال میں جا گرا۔ ڈاکٹر برھم پرکاش ڈائرکٹر، وی ایس ایس سی تھمبا اور پروفیسر ستیش دھون، چیئرمین اِسرو نے اُنھیں ڈھارس بندھائی کہ وہ یہ کام کر سکیں گے۔

اپنی ٹیم کے ساتھ انھوں نے سیکڑوں گھنٹے اس پروجیکٹ پر کام کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ مایوس تھے اور غم و غصے میں مبتلا بھی تھے جس سے انکا اعتماد بھی متاثر ہوا تھا۔ اس ناکام تجربے کی تفصیلات بیان کرنے کی غرض سے ایک پریس کانفرنس منعقد کرائی گئی۔ اِسرو کے چیئرمین ستیش دھون ان کے پاس آئے اور کہا'' کلام، مایوس نہ ہوں۔ آپ باصلاحیت ہیں۔ آپ کی ٹیم باصلاحیت ہے۔ آپ کے پاس ایک نصب العین ہے اور اپنے نصب العین کو پورا کرنے کے لئے وژن ہے۔ آپ کامیاب ہوں گے اور ہم اس مشن کے لئے دوبارہ سرگرمِ عمل ہوں گے۔'' ڈاکٹر کلام کو ایک بار پھر اس نصب العین کی طرف گامزن ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس ناکامی کا سبب بیان کرنے کے لئے وہ خود پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ ڈاکٹر ستیش دھون نے میڈیا سے کہا کہ ڈاکٹر کلام نئی توانائی اور ہمت کے ساتھ دوبارہ اس مشن پر کام کریں گے اور کامیابی حاصل کر کے رہیں گے۔ انھوں نے اپنے ابتدائی کلمات میں ڈاکٹر کلام اور انکی ایس ایل وی 3 کی ٹیم کو لانچ کے ابتدائی مراحل کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے اور بے عیب آغاز کرنے کے لیے مبارکباد پیش کی۔ انہوں نے میڈیا کو بتایا کہ ڈاکٹر کلام نے سات برس تک سیکڑوں لوگوں کی شمولیت کے ساتھ انتھک محنت کر کے ایک مثالی قیادت کا ثبوت دیا ہے۔ آئندہ برس یہ مشن کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ ایس ایل وی 3 روہنی سیٹیلائٹ کو زمین کے مدار میں تنصیب کرنے کے لئے خلاء میں لے گیا۔ 18 جولائی 1980 کو ایک دوسری

پریس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر کلام نے خطاب کیا۔ ڈاکٹر کلام کے حوصلے اور اولوالعزمی کے جذبات سرخ رو ہوئے اور اس طرح انھوں نے ہندوستان کو اسپیس کلب کے چھ باوقار ملکوں میں شامل کرادیا۔ یہ ہندوستانی خلائی پروگرام کی شروعات تھی۔ ہم اب پی ایس ایل ویز، جی ایس ایل ویز اور نہ صرف خود اپنے بلکہ سنگاپور، جاپان، اٹلی، جرمنی، امریکہ، کینیڈا، انڈونیشیا اور کئی دوسرے ممالک کے سیٹیلائٹس خلا میں تنصیب کرنے کی صلاحیت حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب کی تحریر تک 1 2 ممالک کے 57 سیٹیلائٹس اسرو کے توسط سے خلا میں تنصیب کئے جاچکے ہیں۔ جن میں پی ایس ایل وی (پولر سیٹیلائٹ لانچ وہیکل) کا استعمال ہوا ہے۔ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام اس پروگرام کے نقیب ہیں۔ انھیں 1981 میں ہندوستان کے خلائی پروگرام کی کامیابی پر پدم بھوشن سے نوازا گیا تھا۔

مربوط میزائل پروگرام میں بھی انھوں نے ایسی ہی جرأت مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ 1982 میں انھوں نے اِسرو کو، دو دہائیوں تک کام کرنے کے بعد، چھوڑ دیا اور ڈی آر ڈی او جوائن کرلیا۔ انہیں ڈی آر ڈی ایل، حیدرآباد کا ڈائرکٹر بنایا گیا۔ یہ وہ ادارہ تھا جو میزائل ٹکنالوجی کے میدان میں تحقیق وترقیات کی سرگرمیوں میں مصروف عمل تھا۔ وہ ایک مربوط میزائل ترقیاتی پروگرام (آئی ایم ڈی پی) شروع کرنا چاہتے تھے اور اُس وقت کے وزیر دفاع جو بعد میں صدر جمہوریہ بھی بنے یعنی شری آر وینکٹ رمن کو انھوں نے اس پروگرام کو شروع کرنے کے لئے قائل بھی کرلیا تھا۔ اس پروجیکٹ کے لئے حکومت نے شری وینکٹ رمن کی فعال شمولیت کے ساتھ 388 کروڑ روپے منظور کئے تھے جو ڈاکٹر کلام کی مانگ سے زیادہ بڑی رقم تھی۔ ڈاکٹر کلام نے ان میزائلوں کے نام کچھ اس انداز میں رکھے۔ سطح سے سطح پر مار کرنے والی میزائل کا نام "پرتھوی میزائل" رکھا۔ خالص تکنیکی وہیکل کا نام "تریشول"، سطح سے ہوا میں مار کرنے والی میزائل کا نام "آکاش" اور ٹینک شکن میزائل کا نام "ناگ"، ایک اور طرح کی بیلسٹک میزائل کا نام "اگنی" رکھا گیا اور اس طرح وہ "ہندوستان کے میزائل مین" بن گئے۔ اس کے بعد انھیں کوئی نہیں روک سکا۔ انھوں نے جو میزائل ٹکنالوجی تیار کی وہ آج اس مقام تک پہنچ چکی ہے جہاں ہندوستان نے حال ہی میں 3500 کلومیٹر کی دوری تک حملہ کرسکنے والی ہندوستانی نیوکلیئر میزائل صلاحیت کا تجربہ کرلیا ہے۔ ڈی آر ڈی او کی سب سے زیادہ طاقتور میزائل کا نام "کے 4" رکھا گیا۔ 'کے' بمعنی کلام ہے اور یہ ڈی آر ڈی او کے سائنسدانوں کی جانب سے ڈاکٹر کلام کے لئے بیش قیمت

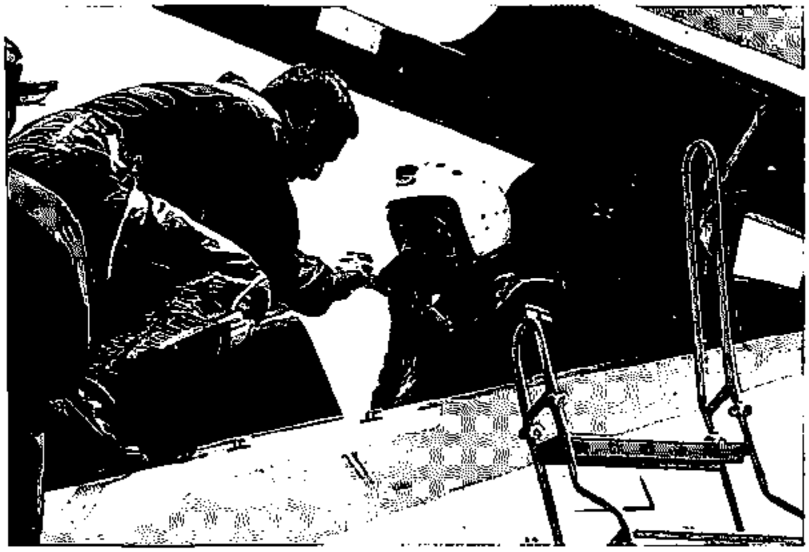

جون 2006 میں صدر کلام پونے کے قریب لوہے گاؤں میں ایئر فورس بیس سے انڈین ایئر فورس کے ایک سکھوئی ایئر کرافٹ میں اُڑان کے لیے تیاری کرتے ہوئے۔

صدر کلام 13 فروری 2006 کو آئی این ایس سندھو رکشک نامی ایک بحریہ پن ڈبّی میں داخل ہوتے ہوئے۔

صدر کلام اَرُوناچل پردیش میں ایک فوجی ٹھکانے پر سپاہیوں کے ساتھ۔ مصنف بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

کرناٹک میں شری سدھ گنگا مٹھ میں بچے صدر کلام کا استقبال کرتے ہوئے۔

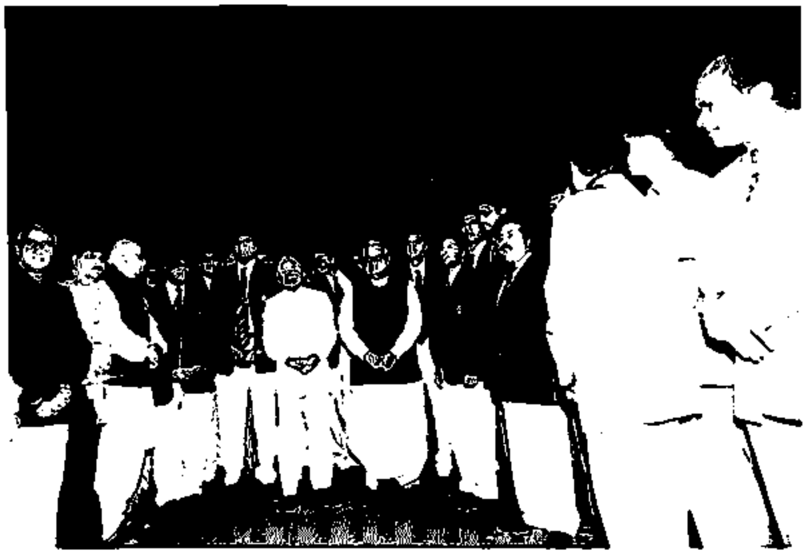

2003 میں راشٹر پتی بھون کے مغل گارڈن میں ایک تقریب کے دوران صدر کلام اور اس وقت کے وزیر اعظم شری اٹل بہاری واجپئی ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے ساتھ۔

صدر کلام وزیر اعظم شری منموہن سنگھ کے ساتھ راشٹر پتی بھون کے ایک روایتی استقبالیہ کے دوران۔ مصنف بھی اس تصویر میں دکھائی دے رہے ہیں۔

صدر ڈاکٹر کلام 28 اپریل 2006 کو احمد آباد میں سرکھیج روضے پر صوفی بزرگ شیخ احمد کھٹو گنج بخش کے مزار پر گجرات کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ جو، اب وزیر اعظم ہیں، شری نریندر مودی کے ساتھ عقیدت کے پھول چڑھاتے ہوئے۔

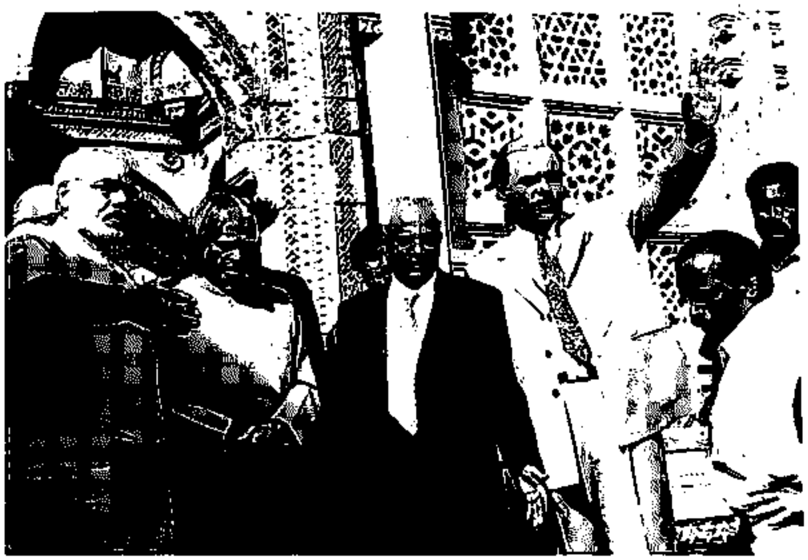

صدر ڈاکٹر کلام گجرات کے ایک دورے کے دوران شری نریندر مودی کے ساتھ۔

ڈاکٹر کلام ممبئی میں داؤدی بوہرا مسلم فرقے کے قائدِ اعلیٰ محترم سیدنا برہان الدین کے ساتھ۔

پرانی دہلی میں واقع مسجد فتح پوری میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے آتے ہوئے صدر کلام۔

صدر کلام اپنے مخصوص انداز میں خطاب کرتے ہوئے۔ مصنف بھی ان کے ساتھ موجود ہیں۔

راشٹرپتی بھون کی ایک تقریب کے دوران، بھارت رتن صدر ڈاکٹر کلام، دوسرے بھارت رتن شہنائی نواز، استاد
بسم اللہ خاں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر کلام خورجہ (اتر پردیش) میں مصنف کے آبائی گھر میں فیملی کے اراکین کے درمیان۔

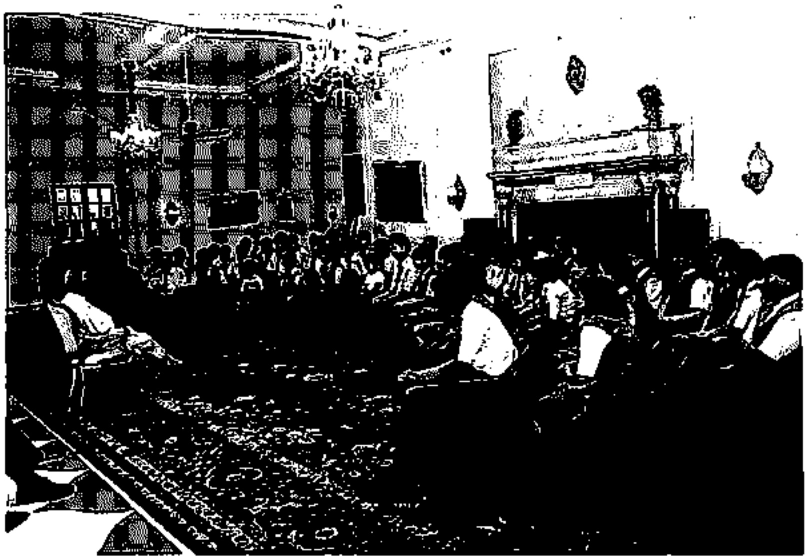

راشٹر پتی بھون میں صدر محترم طالب علموں سے مباحثہ کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر کلام مصنف جناب ایس ایم خان اور انکی اہلیہ محترمہ شہناز خان کے ساتھ راشٹرپتی بھون کی ایک تقریب میں۔

ڈاکٹر کلام نئی دہلی میں مصنف کے بیٹے شہوار خان کی شادی کی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے۔

خراجِ تحسین کے مترادف ہے۔

آئندہ برسوں میں وہ ڈی آر ڈی او کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے اور بعد میں 1992 سے 1999 تک وہ وزیر اعظم کے پرنسپل سائنٹیفک ایڈوائزر کے عہدے پر مامور رہے۔ ڈی آر ڈی او کے ڈائریکٹر اور سائنٹیفک ایڈوائزر کی حیثیت سے انھوں نے پوکھرن II نیوکلیئر تجربے میں اپنا کلیدی رول ادا کیا۔ اس کے تحت مئی 1998 میں ہندوستان نے سلسلے وار پانچ نیوکلیئر دھماکے کیے۔ نومبر 1999 میں وہ حکومتِ ہند کے کابینی وزیر کے مساوی درجے پر اولین پرنسپل سائنٹیفک ایڈوائزر کے عہدے سے سرفراز کیے گئے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں تخلیقی رہنماؤں کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے 1998 کے نیوکلیئر تجربے کرنے کا فیصلہ ظاہر کیا۔ مئی 1996 کا ایک واقعہ پیش کرنے کی مجھے اجازت دیں۔ جس کے متعلق انہوں نے کہا "اس وقت رات کے 9 بجے تھے۔ وزیر اعظم شری پی وی نرسمہا راؤ کی رہائش گاہ سے مجھے فون آیا کہ میں فوری طور پر ان سے ملوں۔ میں عام انتخابات کے نتائج کے اعلان سے محض دو دن پہلے ہی ان سے ملا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ 'کلام اپنی ٹیم کے ساتھ نیوکلیئر تجربے کے لئے تیار رہو۔ میں ترو پتی جا رہا ہوں۔ تم تجربے کے معاملے میں پیش قدمی کے لئے میرے اجازت نامے کا انتظار کرو۔ ڈی آر ڈی او اور ڈی اے ای کی ٹیمیں کاروائی کرنے کے لئے بالکل تیار رہنا چاہئیں۔' مندروں کے شہر ترو پتی کا سفر انتخابات میں کامیابی کی پرارتھنا کے لئے تھا۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو نتائج ان کے قیاس سے بالکل مختلف نکلے تھے۔ میں چاندی پور میزائل رینج میں کچھ کام کر رہا تھا۔ مجھے فون آیا کہ میں نامزد وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی سے سبکدوش ہونے والے وزیر اعظم کے ساتھ فوری طور پر ملاقات کروں۔ میں اس بات پر الجھن میں پڑ گیا کہ راؤ نے مجھ سے کہا کہ میں نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں واجپئی کو بریف کروں تاکہ اس نہایت اہمیت کی حامل سرگرمی کی ہمواری کے ساتھ تحویل ہو سکے۔ یہ واقعہ ایک سربراہِ قوم کی پختگی اور پیشہ وارانہ مہارت کا ثبوت دیتا ہے، جس کا یقین تھا کہ ملک سیاسی نظام سے برتر ہے۔ بیشک 1998 میں دوبارہ وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد (انکا پہلا مدتِ اقتدار محض تیرہ دن تک رہا تھا) شری واجپئی نے جتنی جلدی ہو سکے نیوکلیئر تجربہ کو عملی جامہ پہنانے کا کام انھیں سونپا تھا۔ ان دونوں لیڈروں میں مشکل فیصلے بہادری کے ساتھ لینے کا حوصلہ

موجود تھا، چاہے ایسے فیصلوں کے قومی اور بین الاقوامی سطح پر گہرے نتائج پڑ سکتے تھے۔

ڈاکٹر کلام نے یہ تجربے بدھ پورنما کے دن کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ 11 مئی 1998 کا دن تھا۔ ہر ایک متعلقہ شخص نے اس مبارک تاریخ پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ رازداری برتنے کے سخت پروٹوکال کے تحت ڈاکٹر کلام جتنی بار بھی پوکھرن گئے، انھوں نے فوج کی ہی وردی پہنی تا کہ ان کی اصلی شناخت لوگوں سے پوشیدہ رہے۔ اس آپریشن کو سرانجام دیتے ہوئے وہ میجر جنرل پرتھوی راج کہے جانے لگے۔ بارک اور ڈی آر ڈی او سے 100 سائنسدانوں کو فوجی وردی اور خفیہ نام اور عہدے بھی دیے گئے۔

ان کی قیادت میں ایک اور اہم سائنٹیفک کامیابی سُپر سونِک کروز میزائل ''برہموز'' تیار کرنا تھا۔ یہ ایک ہندستانی وروسی مشترکہ کارکردگی تھی جسے برہموز جیسا مناسب نام دیا گیا۔ جس کے معنی ہیں دوندیوں برہم پترا اور ماسکو کا ملاپ۔ ڈاکٹر کلام کی قیادت میں سائنسدانوں کی ایک ٹیم جس میں شری اے ایس پلئی، شری راما ناتھن اور دیگر اشخاص شامل تھے۔ روسی ٹیم کے ساتھ باہمی اشتراک سے کام کر رہے تھے، جو ڈاکٹر ایچ اے یف ریمو کی قیادت میں تھی۔ ڈاکٹر یف ریموروس کے ایک ممتاز سائنسداں تھے۔

12 جون 2001 کو برہموز نے چاندی پور (اوڈیشہ) میں واقع عبوری تجرباتی احاطہ سے اپنی پہلی اُڑان بھری۔ یہ ایک بہت اہم سا جھا اقدام تھا جو اشتراکیت پر مبنی منصوبوں کی کامیابی کی دلیل تھا۔

وہ ہمیں بتاتے تھے کہ آٹھویں دہے میں بچے مجھ سے ہمیشہ پوچھا کرتے تھے: ''میں ہندوستان کا گیت کب گا سکتا ہوں؟'' آج نوجوان مجھ سے کہہ رہے ہیں، ''میں ہندوستان کو کیا دے سکتا ہوں؟'' یہ بات اشارہ کرتی ہے کہ ملک ترقی کی مثبت رفتار پر گامزن ہے۔ سوالوں کی نوعیت میں یہ بدلاؤ ایک واضح تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ گذشتہ برسوں میں نوجوانوں کے برتاؤ میں کس قسم کا تغیر پیدا ہوا ہے۔

ان کا خیال تھا کہ عہدِ حاضر ہندوستانی تاریخ کا ایک سنہری دور ہے۔ ایسے حالات موجود ہیں کہ جس میں ہم اعلیٰ معاشی نمو، بتدریج بڑھتے ہوئے بیرونی زرِ مبادلے کا ذخیرہ، بڑھتی ہوئی

اندرونی سرمایہ کاری اور سرمایہ داروں کا مسلسل بڑھتا ہوا اعتماد جیسے ہدف حاصل کر سکے ہیں۔ تکنیکی اہلیت کی عالمی قبولیت کے ساتھ ہی ہندوستانی بندوبست اور کاروباری مہارت کی عالمی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ 54 کروڑ نوجوانوں کی قوت، ڈھائی کروڑ سے زیادہ ہندوستانی نژاد لوگوں کی دنیا کے مختلف حصوں سے ملک کے ساتھ گہری وابستگی اور ہندوستان میں تحقیق و ترقیات کے مراکز قائم کر کے ہمارے انجینئروں اور سائنسدانوں میں سرمایہ کاری کرنے کا جذبہ بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں پیدا ہوا ہے۔ یہ سب ہماری معاشی نمو پر مثبت اثر انداز ہونے والے حقائق اور عوامل ہیں۔

انھوں نے جنوری 1999 میں ہمیں اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ونگس آف فائر'' عطا کی جو کہ انھوں نے اپنے رفیق سائنسداں پروفیسر ارُون تواری کے ساتھ مل کر تحریر کی تھی۔ اس میں انھوں نے اپنی زندگی کے جرأت مندانہ اقدامات کی داستان پیش کی ہے۔ اس میں والدین، اساتذہ اور سرپرستوں کے تئیں اپنے احساسِ تشکر کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنھوں نے انھیں کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اپنا اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کتاب میں ان کی کئی نظمیں بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب کافی مشہور اور مقبولِ عام ہوئی۔

''اگنائیٹیڈ مائنڈس'' (روشن اذہان) نامی ان کی کتاب صدرِ جمہوریہ بننے سے پہلے ہی شائع ہو چکی تھی۔ اس کتاب کے توسط سے وہ نوجوان طبقے کو ''میں کر سکتا ہوں'' کے جذبے کی ترغیب دلانا چاہتے تھے۔ یہ کتاب انتہائی مقبولِ عام ہوئی اور اسکے اقوال ذرائع ابلاغ میں خوب استعمال ہوئے۔

وہ طلبا کو ہمیشہ جرأت مندانہ زندگی گزارنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ انھوں نے احمد آباد کے قریب رائیسا کے سوامی نارائن ودیا مندر میں طلبا کے لئے 20 جون 2006 کو ایک نظم قلمبند کی تھی۔

جسارت

کچھ الگ سوچنے کی جسارت

اختراع کرنے کی جسارت

ناممکن کو دریافت کرنے کی جسارت
مسائل سے روبرو ہونے اور کامیاب ہونے کی جسارت
یہی شباب کی مخصوص علامات ہیں
میں جو کہ ملک کا شباب ہوں
جسارت وہمت کے ساتھ کمر بستہ رہوں گا
اپنے ملک کی خوشحالی کی خاطر

ڈاکٹر کلام اکثر طلبا سے خطاب کے دوران نوبل انعام یافتہ سر سی وی رمن کا قول بیان کیا کرتے تھے۔ سر سی وی رمن نے 1969 میں گریجویٹ طلبا سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں "بلا خوف وتردد یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستانی ذہن کا معیار کسی ٹیوٹونک، نارڈک یا اینگلوسیکون ذہن کے معیار سے کم نہیں ہے۔ ہم میں جس شئے کی کمی ہے وہ شاید جرأت مندی ہے۔ ہم میں جس چیز کا فقدان ہے وہ شاید قوت تحرک ہے۔ جس کی بدولت کسی بھی مقام تک پہنچا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اندرون میں، ایک احساسِ کمتری گھر کر چکا ہے۔"

ڈاکٹر کلام نے نوجوان طبقے کو خبردار کیا ہے کہ "کامیابی ہمیں اپنے سامنے درپیش مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک جسارت مندانہ وارفتگی ہی کی بدولت حاصل ہوسکتی ہے۔ تمہیں قوم کی تاریخ میں اس ایک صفحے کی تخلیق کے لئے یاد رکھا جائے گا، چاہے وہ صفحہ ایک مندرج فہرست ہو، ایجاد ہو، کھوج ہو یا ناانصافی کی جنگ ہو۔"

قانونی وآئینی مسائل

ڈاکٹر کلام قانونی اور آئینی مسائل اُتنی ہی آسانی اور آرام سے حل کرلیا کرتے تھے جتنا کہ روز مرہ کے مسائل اور مختلف طرح کے لوگوں سے بات چیت۔ وہ فرمایا کرتے تھے، ''اگر آپ ایماندار ہیں اور بلا کسی روُ رعایت یا کسی کی پاسداری کئے بغیر کھلے ذہن سے معاملات کو حل کرتے ہیں تو آپ کو کوئی مسئلہ آڑے نہیں آئے گا''۔

ان کا پہلا آزمائشی امتحان 1951 کے ریپریزینٹیشن آف پیپلس ایکٹ (ایکٹ برائے نمائندگی عوام) میں ترمیم سے متعلق آرڈیننس کی شکل میں 2002 میں پیش آیا۔ جسے وزیر اعظم شری واجپئی کی کابینہ نے منظور کرلیا تھا۔ آرڈیننس کا پورا مسئلہ 2 مئی 2002 کے سپریم کورٹ کے فیصلے کے باعث سامنے آیا۔ اس حکم نامے کے سلسلے میں سبھی پارٹیوں کی ایک مشترکہ میٹنگ نے طے کیا کہ سپریم کورٹ کے ذریعہ امیدواروں کے پرچۂ نامزدگی سے متعلق الیکشن کمیشن کے ہدایت نامے کی بالا دستی کے باوصف کچھ چیزوں کے اعلان نامے پر کسی حد تک ہی عمل آوری ہونا چاہیے۔ انھوں نے ریپریزینٹیشن آف پیپلس ایکٹ (ایکٹ برائے نمائندگی عوام) میں کچھ ہی ہدایات کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا تھا جبکہ تمام مجرمانہ مقدموں کی تفصیلات اور جائدادوں اور قرضوں سے متعلق معلومات فراہم کرنے جیسی ہدایات کو خارج کر دیا تھا۔ یہ آرڈیننس ڈاکٹر کلام کے پاس غور وخوض

کے لئے آیا۔ انھوں نے اعلیٰ قانونی صلاح کاروں اور دفتر کے اراکین سے جن میں خود میں بھی شامل تھا، اس مسئلے پر بات چیت کی۔ ان کی یہ قوی سوچ تھی کہ انتخابات کا عمل بالکل شفاف ہونا چاہیے اور رائے دہندگان کے سامنے امیدوار کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہونا چاہیے۔ بحریہ کے سابق چیف ایڈمرل رام داس کی قیادت میں ممتاز شہریوں کا ایک وفد بھی اس ضمن میں ڈاکٹر کلام سے ملا اور ان لوگوں نے اُن سے اس آرڈیننس پر اپنی رضامندی نہ دینے کے لئے اصرار کیا۔ ڈاکٹر کلام نے آرڈیننس کو منظوری دینے سے انکار کر دیا۔ کافی سیاستدانوں نے پارٹی لائن سے بالاتر ہو کر اس بات کی زبردست طور پر تنقید کی۔ ایک سینئر سیاست داں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ڈاکٹر کلام کو آئین کا علم ہی نہیں ہے اور اسی لئے انھوں نے غلطی سے منظوری دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ صدر جمہوریہ کے اس فیصلے کو سماج کے مختلف طبقوں نے کافی سراہا بھی۔

کابینہ نے اس معاملے پر دوبارہ غور وخوض کیا اور مجوزہ مسودہ دوبارہ ارسال کر دیا گیا، جسے 24 اگست 2002 کو منظوری دینا ہی پڑی کیونکہ آئینی طور پر دوسری مرتبہ منع نہیں کیا جا سکتا۔ شری اے بی واجپئی نے ان سے ذاتی طور پر ان صورتِ حالات کا تذکرہ کیا جن میں آرڈیننس جاری ہونا ضروری تھا۔

آرڈیننس میں یہ بات شامل تھی کہ امیدوار اپنے پرچۂ نامزدگی میں اعلان کرے گا کہ آیا اس پر کسی ایسے جرم میں الزام عائد کیا گیا ہو جس میں دو سال یا اس سے زیادہ قید کی سزا ہوتی ہے، کوئی مقدمہ ہو جس میں عدالت نے الزام عائد کر دیے ہوں، یا کسی جرم میں قصوروار ٹھہرائے جانے پر ایک سال یا اس سے زیادہ کی سزا ہوئی ہو۔ یہ آرڈیننس بعد میں ریپریزینٹیشن آف پیپلس (تیسری بار ترمیم شدہ) ایکٹ 2002 بن گیا۔ اس ایکٹ کی آئینی درستگی کو چیلنج کیا گیا کہ یہ سپریم کورٹ کے مئی کے احکام کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔

2 مئی 2002 کو سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ آئینِ ہند کا آرٹیکل 19(1)(a) اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اظہار کی آزادی کے حصے کے طور پر شہریوں کو دفاترِ منتخبہ کے امیدواروں کے نامۂ اعمال جاننے کا بنیادی حق حاصل ہے لیکن ترمیم شدہ ایکٹ کے سیکشن 33A سے مجرمانہ ریکارڈ کا بہت تھوڑا حصہ ہی منکشف ہوتا ہے۔ اس میں امیدواروں کی جائیدادوں اور ادائیگیوں سمیت کوئی بھی

دوسرے انکشافات پیش کرنے کی مزید ضرورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ سپریم کورٹ نے انکشاف کیا کہ 2 مئی کے عدالتی فیصلے کی سیکشن 33B کا اعلان کرتے وقت خصوصی طور پر تردید کرتا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بھی بات جو کسی بھی عدالت کے کسی فیصلے یا ڈگری یا احکام میں شامل ہو یا کوئی ہدایت یا احکام یا الیکشن کمیشن کے دیے ہوئے کسی دوسرے فرمان کی وجہ سے کوئی بھی امیدوار اپنے انتخاب کے معاملے میں ایسی کوئی بھی معلومات اجاگر کرنے کے لئے یا اعلان کرنے کے لئے قانوناً ذمے دار نہیں ہے کہ جس کی اس ایکٹ اور اس کے تحت تشکیل پانے والے اُصولوں کے تحت معلومات فراہم کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایکٹ کے اِسی پروویژن کی آئینی حیثیت کو چیلنج کیا گیا تھا۔ 13 مارچ 2003 کو عدالت نے واضح کیا کہ امیدوار سے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا یقینی طور پر آرٹیکل 19(1)(a) کے تحت ایک بنیادی حق ہے اور یہ کہ پارلیمنٹ اس بات کی مجاز نہیں ہے کہ ایک ایسا قانون پاس کرے جو آرٹیکل 13(2) میں شامل بنیادی حقوق کی تلخیص کرے۔ ایسا قانون غیر قانونی اور کالعدم ہے۔

اس طرح سے سپریم کورٹ نے ڈاکٹر کلام کے خیالات سے اتفاق کیا تھا۔ امیدوار کے مکمل نامۂ اعمال کے اعلانیہ کی روایت قائم ہوگئی اور اب بھی جاری ہے۔ یہ شفاف انتخابات کو تقویت پہنچا رہی ہے۔ انتخابات کی ہنگامہ آرائیوں میں امیدوار کے بارے میں عوام کو پوری پوری معلومات بہم پہنچائی جانا چاہیے۔

اس واقعے کے بعد ڈاکٹر کلام نے واضح کر دیا کہ کوئی بھی تجویز جو انکے پاس بھیجی جائے گی اسے قانونی اور آئینی زاویوں سے سختی سے پرکھا جائے گا۔ صدرِ محترم نے یہ بھی حکومت کو بڑے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ انہوں نے آئین کی حفاظت کرنے، اسے محفوظ رکھنے اور اس کی حمایت کا حلف لیا ہوا ہے اور وہ پوری ذمے داری کے ساتھ اُسے نبھائیں گے۔ انھوں نے وزیرِ اعظم کو بھی کہہ دیا کہ جب کوئی آرڈیننس ان کے پاس بھیجا جائے تو وہ چاہیں گے کہ اگر پارلیمنٹ سیشن نہ چل رہا ہو تو متعلقہ وزیر مجوزہ قانون کی فوری ضرورت اور اس کی قانونی اور آئینی معقولیت سے متعلق انھیں بریف کرے۔ این ڈی اے اور یو پی اے دونوں سرکاروں میں کچھ آرڈیننس اس لئے آگے نہیں بڑھ سکے کیونکہ یہ خدشہ تھا کہ صدرِ محترم ڈاکٹر کلام ان کو منظوری نہیں دیں گے اور وہ زور دیں گے کہ جب تک اشد ضروری نہ ہو پورے پارلیمانی طریقِ عمل سے قانون سازی ہو۔

بحیثیت صدر جمہوریہ انھوں نے آئین کو محفوظ رکھنے، اس کی حفاظت کرنے اور اسکا دفاع کرتے رہنے کی قسم کھائی تھی۔ اسی جذبے سے وہ ہمیشہ کام کرتے رہے۔

بہار اسمبلی کا تحلیل ہونا (2005)

فروری 2005 میں بہار اسمبلی انتخابات کا منقسم عوامی فیصلہ برآمد ہوا۔ 6 مارچ کو وہاں پر صدر راج نافذ ہوا اور اسمبلی کو معطل حالت میں رکھا گیا۔ یہ فرمان لوک سبھا سے 19 مارچ اور راجیہ سبھا سے 21 مارچ کو منظور کرالیا گیا۔ کسی طرح اپریل کے درمیانی دنوں میں این ڈی اے نے 115 ارکانِ اسمبلی کی حمایت کا دعویٰ پیش کیا۔ 27 اپریل کو گورنر نے صدر جمہوریہ کو لکھا کہ ایل جے پی کے اراکین اسمبلی کو این ڈی اے نے جھانسے میں لینے کی کوشش کی ہے۔ جس سے ان کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد 21 مئی کو گورنر شری بُوٹا سنگھ نے اسمبلی کو برخاست کرنے کی سفارش کردی۔ جسے 22 مئی کو کابینہ کی منظوری مل گئی۔ اسی دن ڈاکٹر کلام ماسکو دورے پر روانہ ہوچکے تھے۔ گورنر کا خیال تھا کہ اراکینِ اسمبلی کی خرید وفروخت کے باعث عوام کا فیصلہ متاثر ہوگا اور اسی لئے اسمبلی کو تحلیل کرکے دوبارہ انتخابات کروانا چاہیے۔

22 مئی 2005 کی دوپہر میں صدر کلام چار ملکی دورے پر روس، سویٹزرلینڈ، آئیس لینڈ اور یوکرین کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ صدر کلام لوکل ٹائم کے مطابق ماسکو شام 7:00 بجے پہنچے۔ وہ ہوٹل کیمپنسکی میں مقیم ہوئے جبکہ میں ہوٹل رَشیا میں میڈیا کے وفد کے ساتھ ٹھہرا۔ ہم ماسکو میں تھے۔ لوکل ٹائم صبح 10:00 بجے میرے دوست کے دی پرساد اور ریتو سرین نے جو صدرِ محترم کے دورے میں بطور نامہ نگار شامل تھے، مجھے اطلاع دی کہ کابینہ نے اسمبلی کو تحلیل کرنے کی سفارش منظور کرلی ہے اور باضابطہ اعلان سے پہلے اسے دستخط کے لئے صدرِ محترم کے پاس بھیجا جارہا ہے۔ میرے پاس اس واقع سے متعلق نئی دہلی سے اور یہاں وفد میں شامل میڈیا کے نمائندوں کے فون آنے لگے۔ میں نے فوراً صدر کے کیمپ آفس رجوع کیا اور صدر کے سکریٹری سے بات کی۔ انھوں نے اس بات کی تصدیق کردی کہ کابینہ نے تحلیلِ اسمبلی کو منظوری دے دی ہے اور کاغذات دستخط کے لئے ماسکو ارسال کیے جارہے ہیں۔

میں نے ڈاکٹر کلام سے بات کی۔ اس اثنا میں وزیر اعظم منموہن سنگھ نے بھی ان سے بات

کر لی تھی اور درخواست کی تھی کہ اس فیصلے پر وہ دستخط فرمادیں۔ ڈاکٹر کلام دوہری مشکل کی حالت میں تھے کہ آیا اس پر دستخط کریں یا نہیں۔ ان کے پاس تین متبادل تھے۔ اول یہ کہ اعلامیہ لوٹا دینا دوسرے یہ کہ واپس نئی دہلی لوٹنے تک التوا میں رکھنا جو کہ آٹھ دن بعد ہونا تھا۔ اس لئے کہ انھیں تین دیگر ممالک ہوتے ہوئے واپس آنا تھا۔ تیسرے یہ کہ دستخط کردیے جائیں۔ آٹھ دن تک التوا میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ منع کر دینے سے صرف ایک نکتہ ہی بنتا تھا کیونکہ اسے دوبارہ ان کے پاس بھیجا جاتا، اس لئے کہ حکومت نے گورنر کی سفارش کو پہلے ہی منظور کر لیا تھا۔ دوبارہ بھی حکومت ایسا ہی کرتی۔ لہٰذا انھوں نے منظوری دینے کا فیصلہ کرلیا اور کاغذات پر دستخط کر دیے۔ بواپسی پرواز دستخط شدہ کاغذات بھیج دیئے گئے۔ لیکن وہ ذاتی طور پر اس فیصلے سے خوش نہیں تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شری نتیش کمار کو اسمبلی میں اکثریت ثابت کرنے کا ایک موقع دیا جانا چاہیے تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ جب وزیر اعظم شری منموہن سنگھ نے ان سے بات کی تھی اور کابینہ نے ریاستی اسمبلی کو تحلیل کرنے کی سفارش کے فیصلے کے بارے میں بتایا تھا تو انھیں حیرانی ہوئی تھی کہ اسمبلی پہلے ہی سے گذشتہ چھ ماہ سے حالتِ التوا میں تھی۔ لہٰذا انھوں نے وزیر اعظم سے دریافت کیا کہ اچانک حالات نے ایسی شکل کیوں اختیار کی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ وہ اس بارے میں دوبارہ بات کریں گے۔ ان کا دوسرا فون ماسکو کے وقت کے مطابق 1:00 بجے آیا۔ جس میں وزیر اعظم نے تفصیل کے ساتھ واقعات بیان کیے۔ ڈاکٹر کلام تازہ انتخابات کی سخت ضرورت کے موقف پر بڑی حد تک رضامند ہو گئے اور اعلامیہ پر دستخط کر دیے۔

اعلامیہ کی منظوری اور عملِ تحلیل پر بڑی نکتہ چینی ہوئی۔ اعلامیہ صدر کے غور وخوض میں تھا تب بھی، ''دی ہندو'' کے ایڈیٹر ان چیف این رام نے چنئی سے مجھ سے بات کی اور کہا کہ یہ ایک غیر آئینی اقدام ہے اور یہ کہ ڈاکٹر کلام کو اس کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ ہندوستانی خبروں میں اس موضوع پر میڈیا کی خصوصی دلچسپی تھی۔ عموماً لوگ اس فیصلے کے خلاف تھے، جسے غیر واجب اور غیر آئینی سمجھا گیا۔ اعلامیہ کو سپریم کورٹ میں گورنر کی طرف سے بدنیتی اور بیرونی عوامل پر مبنی بنیادوں پر چیلنج کیا گیا۔ سپریم کورٹ نے 17 اکتوبر 2005 کو ایک حکم جاری کیا جس میں اکثریتی فیصلے کے مطابق اس تحلیلِ اسمبلی کو غیر آئینی ٹھہرایا جبکہ ایک نئی اسمبلی کو چننے کا انتخابی عمل پہلے ہی شروع ہو

جانے کے مدِ نظر تحلیل شدہ اسمبلی کو بحال کرنے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ ججوں کی اکثریت نے 21 مئی 2005 کی گورنر کی رپورٹ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ لگتا ہے کہ سترہ یا اٹھارہ ایل جے پی سے تعلق رکھنے والے اراکینِ اسمبلی جے ڈی یو کی طرف جا رہے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ موخر الذکر 24 مئی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی حالت میں ہوگا۔ گورنر کی 21 مئی کی رپورٹ اس امکان کو روکنے کے لئے تھی۔ حالانکہ گورنر نے یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ یہ ایک قریبی امکان ہے اور اسمبلی کو فوراً تحلیل کر دیا جانا چاہیے۔ حکومت کے ذریعہ اس قدر تیز رفتاری سے کی گئی کاروائی کی وجہ بیان کرنے میں ناکامی نے ججوں کو اعلامیہ کو کالعدم کرنے پر مجبور کر دیا۔ رامیشور پرساد اور دیگر بنام یونین آف انڈیا معاملے میں سپریم کورٹ نے اپنی تفصیلی تحقیقاتی رپورٹ میں لمبے چوڑے اور دور تک اثر انداز ہونے والے آئینی اُصولوں کی وضاحت پیش کی ہے۔

میں ہر روز ڈاکٹر کلام کو سپریم کورٹ میں پیش کئے جانے والے دلائل کی روداد سناتا تھا۔ وہ اٹارنی جنرل کے ذریعہ دیے گئے دلائل اور حکومت کی جانب سے لیے ہوئے موقف سے پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ انکا خیال تھا کہ سرکار کا موقف ٹھیک سے سپریم کورٹ میں نہیں رکھا جا رہا تھا انھوں نے اس بارے میں وزیر اعظم شری منموہن سنگھ سے گفتگو بھی کی تھی۔

ان کا خیال تھا کہ جس طریق عمل کے مطابق انھوں نے فیصلہ لیا تھا اسے ٹھیک سے کورٹ میں پیش نہیں کیا گیا تھا۔ انھوں نے یہ بات دو مرتبہ وزیر اعظم کو بتائی تھی۔ وزیر اعظم نے جواباً ان سے کہا تھا کہ وہ خود ذاتی طور پر حکومت کے وکیلوں کو اس ضمن میں بریف کریں گے۔ تاہم منفی فیصلہ آیا اور ڈاکٹر کلام مانتے تھے کہ اگر چہ سپریم کورٹ کا یہ متفقہ فیصلہ نہیں تھا اور خود ان کے اپنے بارے میں اس میں کوئی منفی رائے نہیں دی گئی تھی پھر بھی انھیں اس کی ذمے داری لینا چاہیے کیونکہ یہ ان کی کابینہ تھی اور انھیں نے فیصلے کو منظوری دی تھی۔

سپریم کورٹ نے صدر کے نام یا دفتر کے تئیں کوئی تند بات نہیں کہی تھی۔ تاہم، جسے غیر آئینی قرار دیا گیا تھا وہ صدارتی حکم نامہ تھا۔ وکیلوں کے ایک طبقے نے ڈاکٹر کلام کے استعفیٰ کی مانگ شروع کر دی۔ راشٹرپتی بھون میں ماحول بڑا سنگین بن چکا تھا۔ یہی ایک ایسا واقعہ تھا کہ جب میں نے ڈاکٹر کلام کو بہت ناخوش دیکھا۔ وہ خاموش اور بے لطف ہو گئے تھے۔ جب فیصلے کا اعلان ہو گیا تو انھوں

نے اس معاملے کی اخلاقی ذمے داری خود پر لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے استعفے کی پیشکش کی۔ ایک دن اسی بحران کے درمیان جب میں ان کے پاس فیملی ونگ میں پہنچا تو وہ ناشتہ کر رہے تھے۔ میجر جنرل (سبکدوش) آر سوامی ناتھن بھی، جو صدر کے افسر برائے خصوصی فریضہ تھے، اس وقت وہاں موجود تھے۔ معمول کے مطابق انھوں نے ناشتے میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ پھر انھوں نے بہار سے متعلق فیصلے پر بات چیت شروع کر دی اور کہنے لگے کہ "مجھے اسے منظور نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر چہ سپریم کورٹ نے مجھ پر تنقید نہیں کی ہے اور میں نے گورنر کی اور کابینہ کی سفارش پر عمل کیا تھا، پر میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں کہ جو میں نے کیا وہ قطعی طور پر درست تھا۔" اس کے بعد مزید یہ بھی بتایا کہ انھوں نے اپنے بڑے بھائی سے رامیسورم میں بات کی ہے اور یہ کہ وہ استعفیٰ دینے کا سوچ رہے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ انکے بھائی نے انہیں رامیسورم واپس آ جانے کو کہا ہے۔ "ہم اپنے خاندانی مکان میں سے ایک کمرہ خاص آپکے استعمال کے لئے خالی کر دیں گے۔" انھوں نے اپنے بھائی کے یہ الفاظ یاد کر کے دہرائے انھوں نے کہا کہ وہ یہ فیصلہ اپنے مافی الضمیر کے مطابق لے رہے ہیں اور یہ کہ وہ استعفیٰ دے ہی رہے ہیں۔ گورنر بوٹا سنگھ نے پہلے ہی استعفیٰ دے دیا تھا کیونکہ ان پر سپریم کورٹ نے تنقید کی تھی۔

تمام افسروں نے جن میں میں بھی شامل تھا، صدر کے سکریٹری اور پرائیویٹ سکریٹریوں، ایچ شیریڈون اور آر کے پرساد بشمول ان کے قریبی دوست ارون تواری، سبھی نے الگ الگ نشستوں میں انھیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ آئینی طور پر اور قانوناً ان کی طرف سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ہے۔ غالباً ان کے پاس کوئی دوسرا متبادل نہیں تھا۔ ہم نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ تین رپورٹیں تھیں گورنر کی سفارش، کاؤنسل آف منسٹرس کی صلاح اور اس کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم کی ٹیلی فون پر گفتگو۔ اس وقت ان کے پاس کوئی ناقابلِ تردید جانکاری مہیا نہیں تھی۔ کوئی بھی دوسرے سیاسی سربراہ یا آئینی حکام نے ان سے کوئی دوسرا پہلو پیش کرنے کے لئے رجوع نہیں کیا تھا۔ لہٰذا حکومت کے موقف سے اختلاف کرنے کا کوئی ٹھوس جواز موجود نہیں تھا۔ بالآخر ہم نے انھیں یقین دلا ہی دیا کہ انھوں نے کوئی غلط چیز نہیں کی تھی۔ نہ تو آئینی طور پر اور نا ہی اخلاقاً۔

انھوں نے اس موضوع پر وزیر اعظم سے بھی گفتگو کی تھی جو کسی دوسرے کام سے ان سے ملنے

کے لئے تشریف لائے تھے۔ وزیر اعظم نے ان سے التجا کی کہ انھیں استعفیٰ نہیں دینا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ مستعفی ہوئے تو اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی ہنگامہ آرائیوں کے باعث سرکار گر سکتی ہے۔ ڈاکٹر کلام نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس رات میں سو نہیں سکا۔ میں اپنے آپ سے پوچھتا رہا کہ آیا اپنا ضمیر اہم ہے یا ملک اس سے زیادہ اہم ہے۔ دوسرے دن میں نے حسب معمول علی الصبح اپنی فجر کی نماز ادا کی اور استعفیٰ نہیں دینے کا اور حکومت میں رکاوٹ نہ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح ایک سنجیدہ آئینی بحران ٹل گیا۔

منفعت بخش عہدے سے متعلق بل (2006)

جب شریمتی جیا بچن کو راجیہ سبھا کی رکنیت سے نااہل قرار دیا گیا تھا، اس بنیاد پر کہ وہ یوپی ایف ڈی سی کی چیئرپرسن کے عہدے پر فائز ہیں جو کہ ایک منفعت بخش عہدہ ہے تو ایک قانونی اور سیاسی بحران برپا ہو گیا تھا۔ سپریم کورٹ نے نااہلیت کے فرمان کے خلاف عرضی کو خارج کر دیا تھا لیکن اس کے ساتھ باڑھ کے دروازے کھل گئے۔ موجودہ اراکینِ پارلیمنٹ کے خلاف کئی شکایتیں آنے لگیں، جو منافع کے عہدوں پر قابض تھے۔ صدر نے آرٹیکل 103 کے حوالے سے انھیں الیکشن کمیشن میں رائے زنی کے لئے بھیج دیا۔ یہاں الیکشن کمیشن کی رائے صدر کے لئے پابندی کی متحمل تھی نا کہ وزیر اعظم کی سربراہی میں کاؤنسل آف منسٹرس کی۔

سپریم کورٹ کا پہلا موقف تھا کہ یہ غیر اہم ہے کہ کسی شخص کو کسی ادارے سے واقعی کوئی معاوضہ مل رہا ہے یا مالی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بلکہ متعلقہ شرط کے تحت یہ سچائی ہے کہ وہ شخص جس کو ایسا عہدہ ملا ہوا ہے، منافع بخش آفس رکھنے کی بنیاد پر اس آفس میں برقرار رہنے کے لئے نااہل قرار دیے جانے کا قانونی طور پر مجاز ہے۔ "سرکاریں خصوصاً مخلوط سرکاریں اراکینِ مجلسِ قانون ساز کو اپنے پالے میں رکھنے کے لئے کچھ بھی جو انکے اختیار میں ہو، کرتی دکھائی دیتی ہیں اور نفع بخش عہدے عطا کرنا ان میں اختلاف کی طاقت کو روکنے کا موثر آلۂ کار ثابت ہوا ہے۔" یہ سپریم کورٹ نے محسوس کیا ہے۔

حسب اختلاف کی جماعتوں نے اس نااہلیت کا اطلاق برسر اقتدار کانگریس پارٹی کی صدر پر کرنا چاہا۔ محترمہ سونیا گاندھی نیشنل ایڈوائزری کاؤنسل کی چیئرپرسن تھیں جو کہ ایک منفعت بخش

آفس تھا۔ 23 مارچ 2006 کو محترمہ سونیا گاندھی نے لوک سبھا اور نیشنل ایڈوائیزری کاؤنسل دونوں سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد میں وہ دوبارہ منتخب ہوئیں۔ مختلف جماعتوں کے 43 اراکین کو پارلیمینٹ سے نااہل قرار دیے جانے کا خدشہ تھا اور دو سو دیگر اراکینِ ریاستی مجلسِ قانون ساز اسی قسم کی پابندیوں کا شکار ہو رہے تھے۔ لہٰذا بلا تفریق جماعت یہ اتفاق رائے بنی کہ آئین میں اس ضمن میں ترمیم کی جائے۔ 17 مئی 2006 کو پارلیمینٹ نے ایک بل پاس کیا جس میں 56 عہدوں کو جن میں چیئرپرسن نیشنل ایڈوائزری کاؤنسل کا عہدہ بھی شامل تھا، منفعت بخش آفس ماننے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور اس طرح اراکینِ پارلیمینٹ کو نااہلیت سے بچا لیا گیا۔ راجیہ سبھا نے منقسم صورتِ حال میں اس بل کو منظوری دے دی۔

پارلیمینٹ (نااہلیت کی روک تھام) ترمیمی بل 2006 جو عرفِ عام میں منفعت بخش عہدے سے متعلق بل کہا جاتا ہے، صدر کلام کے پاس منظوری کے لیے آیا۔ انھوں نے ماہرین کے ساتھ اس پر گفتگو کی اور ذاتی طور پر محسوس کیا کہ جس انداز میں چھوٹ دی جا رہی تھی وہ غیر منطقی تھا۔ ''منفعت بخش عہدہ'' کا تصور ہمارے آئین کے معماروں نے تیار کیا تھا۔ جن کا یہ یقین تھا کہ پارلیمینٹ عاملہ پر سوال اٹھاتی ہے اور اسے اٹھانا ہی چاہیے۔ لیکن چونکہ وزرا اور پارلیمینٹ کے چند اراکین پارلیمینٹ میں ہوتے ہوئے عاملانہ عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں اس لئے کچھ عہدوں کو انتخاب اور احتیاط کے ساتھ چھوٹ دیے جانے کا طریقہ اختراع کیا گیا تھا۔ بل میں چالیس سے زیادہ مستثنیات شامل تھے۔ زیادہ تر ماہرین نے ڈاکٹر کلام کو مشورہ دیا کہ یہ بل جیسا کہ پیش کیا گیا ہے، انتخاب اور احتیاط کے ساتھ چھوٹ کے اصلی تصور کے اُصولوں کو بالائے طاق رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ بل میں چھوٹ کی فہرست بامقصد ہونا چاہیے۔ محض چند سیاستدانوں کو جگہ دینے کی خاطر، جو ہاؤس میں اپنی رکنیت کھو سکتے ہیں، ہمارے ملک کے آئین ہی میں کیوں ترمیم کی جائے۔ ہر اہلیت کو یا اس معاملے میں نااہلیت کو ہٹا دیا جانا ارتکازِ اقتدار کی بنیاد ہوتی ہے۔ انھیں لگتا تھا کہ مجلسِ قانون ساز کی رکنیت کی تطہیر اور آزادی ہر ایک سیاسی جماعت کا ہدف ہوتا ہے، تاکہ انکے لوگ ایک سے زیادہ عہدوں پر نااہل قرار دیے جانے کی دھمکی کے بغیر استفادہ حاصل کر سکیں۔ سبھی سیاسی جماعتیں کم و بیش کانگریس اور سماجوادی پارٹی ہی کی طرح ایک جیسی ہی حالت میں تھیں۔ اسی

لئے اس معاملے میں تمام سیاسی جماعتوں میں بے مثال یکجہتی اور اتفاقِ رائے نظر آیا تھا۔

انھوں نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس تین متبادل ہیں: بل پر دستخط کر دینا، اس پر دستخط سے انکار کر دینا یا اس میں تبدیلیاں کرنے کی درخواست کے ساتھ بل کو واپس پارلیمینٹ میں بھیجنے کے حق کا استعمال کرنا۔ وزیرِ اعظم کی سربراہی میں کاؤنسل آف منسٹرس کے مشورے کے تحت عمل کرنے کے علاوہ ان کے پاس تھوڑا ہی متبادل تھا۔ حالانکہ آرٹیکل 111 کے مطابق صدرِ ہند کو محض کسی مشورے کے تحت کام نہیں کرنا ہوتا ہے بلکہ کسی بل کے معاملے میں وہ اپنی آزاد رائے رکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے تیسرا متبادل اختیار کیا۔ انہوں نے پارلیمینٹ کو بل پر دوبارہ غور خوض کرنے کا اور بل کی قانونیت پر اور اس کے پروژنوں کو واپس لیے جاسکنے سے متعلق امکانات پر غور کرنے کا حکم دیا۔ ان کا خیال تھا کہ بل کا محور مستثنیات کے لئے معیار سازی کا طریق کار تیار کرنا ہونا چاہیے تھا، جو کہ عدل اور معقولیت پر مبنی ہوتا اور جس کا اطلاق تمام ریاستوں اور یونین کے زیرِ نگیں علاقوں پر ہونا چاہیے تھا۔

انھوں نے اپنے پیغام میں لکھا، ''میرے ساتھی اراکین پارلیمینٹ کی مدبّری اور دانائی کا بے حد احترام کرتے ہوئے اور پارلیمینٹ کا واجب لحاظ کرتے ہوئے، میں چاہوں گا کہ پارلیمینٹ اس مجوزہ بل پر نظرِ ثانی کرے۔''

یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی صدر نے آئینِ ہند کے آرٹیکل 111 کے تحت اپنے آئینی حق کا استعمال کرتے ہوئے نظرِ ثانی کے پیغام کے ساتھ کسی بل کو واپس کر دیا تھا۔

یونائیٹڈ پروگریسو الائنس (یو پی اے) سرکار نے بل کو بغیر کسی تبدیلی کے ان کے پاس واپس بھیجنا پسند کیا۔ کیونکہ بل جیسا کہ تیسا پارلیمینٹ کے دونوں ایوانوں میں دوبارہ منظور ہو گیا تھا۔ انھوں نے پورے سترہ دن تک سرکار کی جانب سے آگے کوئی کاروائی ہونے کا انتظار کیا۔ پھر بھی، ان قیاس آرائیوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ وہ اگلے سال اپنا مدتِ کار پورا ہونے تک اس بل کو التوا میں رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس بارے میں وہ سپریم کورٹ سے صلاح لیں گے، جیسا کہ حسبِ اختلاف نیشنل ڈیموکریٹک الائنس (این ڈی اے) نے مانگ کی تھی، آئین کے آرٹیکل 102 کی روشنی میں، منفعت کا عہدہ کیا ہوتا ہے اس بات کی تشریح کے لئے، سرکار کے ذریعہ، ایک مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل کے بعد انھوں نے 18 اگست 2006

کو بالآخر اس بل پر دستخط کر دیے۔ اس بار پھر ڈاکٹر کلام نے ثابت کیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر حکومتِ وقت کے لئے کوئی مسئلہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ حکومت کے لئے کوئی آئینی بحران کھڑا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے قانونی اور آئینی مسائل اٹھائے اور پھر فیصلہ پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا۔ پارلیمنٹ نے اپنی حکمتِ عملی سے دوبارہ وہی بل منظور کیا تو اس کو اپنی مدتِ کار پورا ہونے تک التوا میں ڈالنے کے بجائے اسے منظوری دے دی۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تعطل پیدا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے ایک درست نکتہ رکھا۔

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری

وزیرِ اعظم کی امداد اور صلاح سے صدرِ ہند کے ذریعہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری ہوتی ہے۔ اعلیٰ ججوں کی تقرری سے متعلق قانون اور طریق کار، ہندوستان کی سپریم کورٹ نے اکتوبر 1998 میں اپنے معروف و مقبول ''تھرڈ ججس کیس'' میں طے کر دیا تھا۔ اس کا ذکر آئین کے آرٹیکل 143 کے تحت صدر کے ذریعہ ایک خصوصی حوالے میں آیا تھا۔ سپریم کورٹ نے اپنے پچھلے حکم نامے کو دوہرایا کہ چیف جسٹس آف انڈیا کو دو سینیئر ترین رفقائے کار ججوں سے مشورہ کرتے ہوئے اعلیٰ عدالتی تقرریوں کے لئے سفارش کرنا چاہیے۔ تین اشخاص کا یہ کولجیم اپنے فیصلے کی تشکیل میں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی رائے کو ملحوظ رکھے گا جو ''سب سے بڑے وزن کی مجاز ہوگی''، ہائی کورٹ کے دیگر ججوں کی رائیں جنھیں رجوع کیا گیا ہو اور سپریم کورٹ بینچ کے رفقائے کار کی رائیں ''جو متعلقہ ہائی کورٹ کے معاملات سے واقف ہوں'' یہ تمام رائیں ضبطِ تحریر ہوں اور سفارش کے ساتھ حکومتِ ہند کو پہنچائی جائیں۔ سپریم کورٹ مزید یہ بھی کہتی ہے: ''اگر کولجیم کی اکثریت کسی خاص شخص کی تقرری کے خلاف ہو تو اس شخص کا تقرر نہیں ہوگا۔''

جب بھی ڈاکٹر کلام کے پاس سپریم کورٹ یا ہائی کورٹوں کے کسی جج کی تقرری کی تجویز آتی تھی تو وہ تجویز کی اپنے صلاح کاروں کی مدد سے ذاتی طور پر جانچ پڑتال کر لیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عوام میں ایک جج کا تصور اور اس کی ساکھ بہت اہمیت کی حامل ہے اور اس بات کی جانچ پڑتال بہت گہرائی، پوری ذمے داری اور غیر جانبداری کے ساتھ ہونا چاہیے۔

2003 میں انھوں نے ایک ہائی کورٹ جج کی تقرری کو منظوری نہیں دی تھی، کیونکہ فائل پر اس کے خلاف چند ''غیر موافق جملے'' درج تھے۔ حال ہی میں نئی دہلی میں ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام میموریل لیکچر دیتے ہوئے اس وقت کے وزیر برائے قانون شری ارون جیٹلی نے ایک واقعے کا ذکر کیا: ''مجھے یاد ہے راشٹر پتی بھون کی ایک تقریب کے بعد صدر محترم نے مجھ سے اور وزیر اعظم شری واجپئی سے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ یہ ایک جیوڈیشیل تقرری کا معاملہ تھا جس میں فائل میں 'غیر موافق جملے' درج تھے۔'' انھوں نے کہا: ''ہم اس تقرری کے لئے کیوں رضامند ہیں'' اور اپنی تشویش ظاہر کی۔ انھوں نے اپنے سکریٹری اور مجھ سے ایک ڈرافٹ نوٹ تیار کرنے کو کہا جو وہ خود اپنے ہاتھ سے لکھیں گے اور سرے سے اس تجویز ہی پر اپنی اختلاف رائے ظاہر کریں گے۔

چند موقعے ایسے اور بھی آئے تھے جب ڈاکٹر کلام نے ججوں کی تقرری میں قابلیت اور منصفانہ فیصلے کی خاطر نظر ثانی کے لئے فائلوں کو لوٹا دیا تھا۔

2006 میں ایک بار ڈاکٹر کلام نے پنجاب اور ہریانہ کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے کے لئے متنازع فیہ تقرری پر اپنا مشاہدہ ضبط تحریر کیا تھا۔ کیونکہ اس تقرری کے بارے میں کولیجیم کی سطح پر رائے منقسم تھی۔ لہٰذا سپریم کولیجیم کی منقسم رائیوں اور مشاورتی عمل کے دوران تین ججوں کے منفی ریمارک ہونے کے باعث ڈاکٹر کلام نے فائلوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اسے واپس ڈاکٹر منموہن سنگھ کے پاس نظر ثانی کے لئے ارسال کر دیا۔ وزیر اعظم کی صلاح پر انھوں نے اس وقت کے ہندوستان کے چیف جسٹس سے بھی اس ضمن میں رجوع کیا اور فائل کا خود بھی از سر نو مطالعہ کیا پر وہ مطمئن نہیں ہو پائے۔ حالانکہ بالآخر جب ایک بار پھر یہ تجویز نامہ غور کرنے کے لئے ان کے یہاں ارسال کیا گیا تو ان کے پاس اسے منظوری دینے کے علاوہ اور کوئی متبادل نہیں تھا۔

2007 میں انہوں نے دہلی ہائی کورٹ میں ایڈیشنل جج کی ایک مستقل جج کے طور پر تقرری کی توثیق پر حکومت کو نظر ثانی کرنے کے لئے حکم دیا تھا، کیونکہ کسی فوجداری مقدمے کے معاملے میں جو ایک 'ٹرائل جج' کے طور پر سماعت کے لئے اس کے سامنے لایا گیا تھا، دیے گئے

فیصلے پر اس کے خلاف تادیبی کارروائی میں اسے ہدفِ ملامت بنایا گیا تھا۔

ایک دوسرے موقع پر، اسی سال ڈاکٹر کلام نے الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک جج کی کیرالہ ہائی کورٹ میں چیف جسٹس کے عہدے پر تقرری کے معاملے پر نظرِ ثانی کروائی کیونکہ اس جج کا زمین پر ناجائز قبضے میں مبینہ طور پر ملوث ہونے اور الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بینچ کے جج کی حیثیت سے اس معاملے میں اپنے سرکاری عہدے کا غلط استعمال کرنے کا معاملہ سامنے آیا تھا۔ صدر نے فائل حکومت کو نظرِ ثانی کے لئے واپس کر دی، جسے وزیرِ اعظم نے چیف جسٹس کو لوٹا دی۔ کیونکہ کولیجیم کی سفارش متفقہ طور پر نہیں ہوئی تھی اس لئے تجویز کو منسوخ کر دیا گیا۔ حالانکہ جلد ہی اس کا تبادلہ چنڈی گڑھ کرنے کے لئے ایک نئے پرپوزل کی پہل کی گئی اور چنڈی گڑھ پہنچنے پر اسے کارگزار چیف جسٹس بنا دیا گیا۔ آگے چل کر کولیجیم کے ذریعہ اسے ترقی بھی دی گئی اور اتراکھنڈ ہائی کورٹ کا باضابطہ چیف جسٹس بنا دیا گیا۔

2004 میں صدر کلام نے سپریم کورٹ کولیجیم کے توسط سے پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی، اس کی رضامندی کے بغیر گواہاٹی ہائی کورٹ میں تبادلے کی تجویز کو واپس کر دیا۔ تجویز سے نااتفاقی کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے چیف جسٹس اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری اور تبادلے کے طریقِ کار کے میمورینڈم کا درج ذیل حوالہ دیا تھا:

> ''میمورینڈم کا پیرا 25.3 کہتا ہے: کسی جج یا ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا مجوزہ تبادلہ تحریری شکل میں ظاہر ہونا چاہیے اور چیف جسٹس آف انڈیا اور سپریم کورٹ کے چار سینئر موسٹ ججوں کے ذریعہ طے ہونا چاہیے۔ متعلقہ جج کے بارے میں مجوزہ عناصر بشمول چیف جسٹس اور اس کی تجویز پر ردِ عمل بشمول جگہوں کی ترجیحات کو چیف جسٹس آف انڈیا اور سپریم کورٹ کے چار چھوٹے ججوں کو تجویز پر فیصلہ لینے سے پہلے ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔''

یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر کلام ججوں کی تقرری سے متعلق ہر تجویز کی خوب توجہ کے ساتھ جانچ پڑتال کرتے تھے اور انصاف وغیرہ جانبداری کی خاطر جہاں ضروری ہوتا وہ مداخلت بھی کیا کرتے تھے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد جس میں آئینی ترمیم (آئین ہند کے آرٹیکل 124A) بل، جس میں نیشنل جیوڈیشل اپوئنٹمنٹ کمیشن کو سپریم کورٹ نے منسوخ کر دیا اور پرانا کولجیم نظامِ تقرری کو بحال کر دیا گیا ہے، ججوں کی تقرری کا طریق کار آج کل بڑا موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

عوام الناس کے صدر

ڈاکٹر کلام صحیح معنوں میں 'عوام الناس کے صدر' تھے۔ وہ ایسے واحد صدرِ ہند رہے ہیں جنھیں میڈیا اور عوام کے ذریعہ یہ لقب ملا ہے۔ جب سے انھوں نے صدارت کا عہد لیا تھا تب ہی سے یہ بالکل واضح ہو گیا تھا کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ راشٹرپتی بھون عوام الناس کا مسکن ہو، جہاں ان کی شکایات کو سنا جائے۔ انھوں نے اپنے نجی اسٹاف کو کہا ہوا تھا کہ جتنی زیادہ تعداد میں ممکن ہو سکے، لوگوں کو ملنے کا پروانہ دیا جائے۔ ہر ہفتے اسکولی طلبا کو مدعو کیا جاتا تھا۔ انھیں پہلے 'بچوں کی گیلری' میں لے جایا جاتا تھا جو ڈاکٹر کلام نے راشٹرپتی بھون میں بنوائی تھی، اور پھر اس کے بعد وہ صدر کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ ان کا بچوں کے ساتھ مباحثے پر مبنی اجلاس تقریباً ایک گھنٹے تک چلتا تھا۔

وہ کسانوں سے پابندی سے ملا کرتے تھے۔ کسان پہلے 'ہربل گارڈن' اور دیگر باغات میں لے جائے جاتے تھے جو ڈاکٹر کلام نے انڈین کاؤنسل فار ایگریکلچرل ریسرچ (آئی سی اے آر) کے تعاون سے تیار کروائے تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر کلام ان سے ملاقات کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ خود بھی ہربل گارڈن چلے جاتے اور کسانوں سے وہیں ملاقات کر لیا کرتے تھے۔ کسان مغل گارڈن، ہربل گارڈن، اسپرچوئل گارڈن اور نیوٹریشن گارڈن میں گہری

دلچسپی دکھاتے تھے۔ وہ گارڈن کی نگرانی کر رہے ماہرین کے ساتھ سوال جواب بھی کرتے تھے۔مغل گارڈن کے علاوہ جو کہ شروع ہی سے وہاں تھا، باقی سبھی باغات ڈاکٹر کلام نے ہی تیار کروائے تھے۔ بعد میں، 'زراعت انتظار نہیں کر سکتی' عنوان کے تحت ایک نیشنل سمپوزیم کے دوران کسانوں کے دیے گئے ان سارے مشوروں پر زرعی سائنسدانوں نے بحث و مباحثہ کیا۔

صحیح معنوں میں ڈاکٹر کلام ایک سیاست داں تو تھے نہیں۔عالی مرتب عہدے کے بھی وہ قطعی خواہاں نہیں تھے۔ اپنی صدارت کے دوران وہ اپنے ایک عام آدمی کے تشخص سے کبھی منحرف نہیں ہوئے۔انھوں نے کہا تھا کہ"2020 کا ترقی یافتہ ہندوستان سو کروڑ لوگوں کی ایک مہم ہے۔اس میں ہر ایک کو اپنا کردار بخوبی نبھانا ہے۔"

اس لئے انھوں نے تمام افسروں کو عوام سے رابطہ رکھنے، انکے مسائل اور آرزوؤں کے بارے میں جاننے اور"تم ملک کو کیا دے سکتے ہو؟" یہ ان سے دریافت کرنے کو لازمی قرار دیا تھا ۔وہ سچ میں ایک عظیم ہندوستانی تھے،ان کی زندگی چھوٹے شہر کی گم نام زندگی سے عالمی شہرت اور احترام وقناعت کی ایک مکمل داستان تھی۔اگر چہ وہ ایک سائنسداں تھے لیکن ان میں ہندوستان کی تاریخ وثقافت کی گہری سمجھ تھی۔

ان کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ سیاست سے اجنبی تھے اور انھوں نے راشٹر پتی بھون کے دروازے عوام کے لیے کھول دیے تھے۔

وہ ہر اس شخص کے لیے دستیاب تھے، جو ان سے ملنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ مجھے ایک علاقائی اخبار کی سرخی سے پتہ چلا کہ سمستی پور، بہار کا ایک چودہ سالہ لڑکا ان سے ملنے دہلی آیا تھا۔وہ جنتر منتر پر دھرنے پر بیٹھ گیا، اس لیے کہ وہ جب راشٹر پتی بھون گیا تو اسے ڈاکٹر کلام سے ملنے کی اجازت نہیں مل پائی تھی۔ میں نے انھیں اس خبر کا تراشہ دکھایا۔وہ یہ جان کر بے چین ہو گئے اور مجھے جنتر منتر جانے اور اس لڑکے کو تلاش کرنے کی ہدایت دی۔ بدقسمتی سے دو دن کے دھرنے کے بعد وہ لڑکا واپس چلا گیا تھا۔ کیونکہ مجھے اس لڑکے کو تلاش کرنے کے لیے کہا گیا تھا، میں نے سمستی پور کے ضلع مجسٹریٹ سے بات کی۔ انکی مدد سے اس لڑکے کو دوبارہ دہلی لایا گیا۔ وہ

اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ آیا۔ان کے اس سفر کے اخراجات ریاستی حکومت نے ادا کیے۔لڑکا اور اس کے گھر والے ڈاکٹر کلام سے تیس منٹ تک بات چیت کرتے رہے۔یہ اس لڑکے کی زندگی کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے ساتھ ایک بڑی ہی جذباتی ملاقات تھی۔واپس چلے جانے کے بعد بھی وہ لڑکا ڈاکٹر کلام کے رابطے میں رہا۔

ڈاکٹر کلام نے عہدۂ صدارت کی بڑے انوکھے انداز میں نئے سرے سے وضاحت کی تھی۔بچوں کے ساتھ ان کے راست روابط،سادگی اور انسانیت کے باعث ایک نسل کے لئے وہ ایسے قابلِ تعظیم مجسمے کی مانند بن گئے جو خالص اپنے ملک کی مٹی سے بنے ہیرو کی متلاشی تھی۔ہندوستان کے میزائل مین اور خلائی سائنسداں کے طور ان کے رتبے کا کرشمہ اس نوجوان طبقے کی نگاہ میں مزید جادو جگا دیتا تھا،جو ان کی محبت واشتیاق میں بعید از فہم حد تک دیوانہ تھا۔

وہ ایک ایسے صدر تھے جن میں اعلیٰ سائنس وٹکنالوجی کے ساتھ انسانیت کا وصف بھی نمایاں طور پر تجسیم پاتا تھا،جسے عام آدمی کے دکھ درد پتہ تھے۔وہ ایک ایسے شخص تھے جو خاندان،ذات اور مذہب کے شکنجوں سے آزاد تھا۔ان کی زندگی ایک پُرعزم ہندوستان کے نئے انقلابی افکار کی چاہت رکھنے والوں کا آئینہ دار بن گئی تھی۔روز مرّہ کی زندگی میں وہ شان وشوکت اور دکھاوے سے بچتے تھے۔صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد فوراً ہی بابائے قوم کوخراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ان کا راج گھاٹ جانا بہت لوگوں کے دلوں کو چھو گیا،خصوصاً اس پاک زمین پر داخل ہونے سے پہلے روایت کے مطابق اپنے کسی مددگار کی خدمات لینے سے منع کرتے ہوئے انھوں نے اپنے جوتے خود ہی اُتارے تھے۔اس سے بھی زیادہ دل پذیر واقعہ نائب صدر شری کرشن کانت کے انتقال پر تب پیش آیا جب دوسرے سوگواروں کے ساتھ وہ بھی بڑی بے ساختگی کے ساتھ فرش پر آلتی پالتی بنا کر بیٹھ گئے تھے۔

''عوام الناس کے صدر'' (پیپلس پریزیڈینٹ) کی اصطلاح نومبر 2002 میں شری اے جے بوس کے مضمون میں سب سے پہلے استعمال میں آئی۔وہ ''پائینیر'' اخبار کے معروف کالم نویس تھے۔

بعد میں انگریزی کی خصوصی نامہ نگار شیلا ریڈی نے 23 جون کو ''آؤٹ لک'' میگزین میں اپنی کوَر

اسٹوری میں ڈاکٹر کلام کو "پیپلس پریزیڈینٹ" (عوام الناس کے صدر) کے طور پر بیان کیا۔ شیلا ریڈی لکھتی ہیں کہ 'سیاست کی اُپج مانے گئے، ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام جب صدر کے عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے اس اعلیٰ مرتبت منصب کو ایک نئی معنویت سے ہمکنار کر دیا۔'

شیلا ریڈی نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر کلام کے بہار کے ایک دورے کا منظر کچھ اس طرح بیان کیا ہے، "کافی پہلے ہی سے وہاں بھیڑ جمع ہونا شروع ہو گئی تھی۔ بہار میں پالی گنج سے بودھ گیا کے پیپل پیڑ تک نئے بنائے گئے راستے کے دونوں طرف قطار بنائے لوگ پینتالیس ڈگری سیلسیس کی چلچلاتی دھوپ کی پرواہ کیے بغیر وہاں کھڑے دیر سے انتظار کر رہے تھے، جن میں بوڑھے اور نوجوان، مرد اور عورتیں سب شامل تھے۔ یہ خستہ حال قسم کے لوگ عام طور پر سیاست دانوں کے لئے مظاہروں میں کرائے کی بسوں میں بھر بھر کر لائے جاتے ہیں۔ مگر وہاں ایسی کرائے کی بسوں کی کہانی کی کوئی بھنک سننے میں نہیں آئی۔ آخرکار، چھتیس ایمبیسیڈر کاروں کا قافلہ، غبار اُڑاتا ہوا، انتظار کرتی بھیڑ کے درمیان سے گزرنے لگا۔ گاؤں والے شاید گزرتے ہوئے صدر کی ایک جھلک دیکھ کر ہی مطمئن ہو کر واپس اپنے کاموں پر لوٹ جاتے، لیکن موٹروں کے اس قافلے کے بیچ کی ایک کار اچانک رُکی۔ وہ رو پہلا آدمی جس کا سب بے قراری سے انتظار کر رہے تھے، کار سے برآمد ہوا اور لوگوں سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ ہلانے لگا۔ دس مہینے سے کچھ ہی اوپر کے عرصے میں سائنسداں اور میزائل مین ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام، جسے ہر کوئی محض سیاست کی اُپج سمجھ رہا تھا کہ جس کے لیے جمہوریۂ ہند کا سب سے قابلِ تعظیم منصب سنبھالنا مشکل ہوگا، لوگوں کا اتنا جم غفیر اکھٹا کر پا رہا ہے کہ جو زیادہ تر وزیرِ اعظموں کے لیے بھی ایک قابلِ رشک امر رہا ہے۔"

سنسان، برفیلے سنگلاخ سیاچین گلیشیر اور کارگل کے دشوار گزار علاقوں میں ان کے سفر بڑے اہمیت کے حامل تھے۔ وہ وہاں تعینات جوانوں تک پہنچے، سبھی سطح کے افسروں کے ساتھ گھلے ملے اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ ان کے ان دوروں سے دوسرے اعلیٰ افسران میں ایسے سفر کرتے رہنے اور وہاں تعینات جوانوں کو درپیش دشواریوں کو بہتر طور پر سمجھنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ اس نوعیت کے خود ہی سے تفویض کیے گئے یہ دورے ان کی عمر کے کسی شخص کے لئے سنگین خطر ں سے خالی نہیں تھے

۔مگر جو وہ سمجھتے تھے کہ انھیں کرنا چاہیے، اس سے انھیں کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔
کولکاتا کے اپنے ایک سفر کے دوران، ایک ضلع افسر نے بڑے تحیر آمیز لہجے میں کہا تھا کہ ''ریاست میں اندرا گاندھی کے دورے کے بعد سے اب تک کسی کے لیے اتنے جوش وخروش کے ساتھ اتنی بڑی بھیڑ کبھی نہیں اکٹھا ہوئی تھی۔'' اڈیشہ میں اپنے ایک دورے کے دوران وہ طوفان سے متاثرہ لوگوں کی عارضی قیام گاہوں کا معائنہ کرنے کے لیے گئے۔ ہیلی پیڈ پر لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم جمع ہو گیا تھا کہ جسے قابو میں رکھنے کے لئے سرکاری عملے کو ایسے اقدام لینا پڑے جس کا اُصولاً کوئی جواز نہیں تھا۔ انھوں نے ایک کھلی جیپ منگوائی اور اس پر صدر محترم کو گاؤں والوں کے درمیان سے گزارا۔ کچھ حد تک تجسس کی وجہ ہی سے صحیح مگر جہاں جہاں وہ جاتے، ان میں بڑی بھیڑ جمع کر لینے کی غیر معمولی صلاحیت موجود تھی۔
کیوں نہیں، آخر کلام صاحب ایک سب سے زیادہ موضوعِ گفتگو صدر رہ چکے ہیں۔ اپنے غیر روایتی انداز کے باعث وہ ہمیشہ خبروں میں رہتے تھے۔ اپنے عہدے سے وابستہ تکلفات اور مجلسی آداب سے بیزاری کے لئے وہ بڑے مشہور تھے۔ قومی رہنماؤں کی سمادھیوں پر جوتے اتارنے کے لئے تعینات خدمتگار کو وہ اپنے جوتے اتارنے سے منع کر دیتے تھے، بلکہ وہ انھیں کار ہی میں چھوڑ دیا کرتے تھے اور وہاں ننگے پیر ہی چلے جاتے۔ کرناٹک کے ایک اسکول میں انھوں نے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے دہی اور چاول کا مڈ ڈے میل پیش کیا تھا۔
راشٹر پتی بھون کی تقریبوں میں بھاری بھرکم ملبوسات اور وردی کے ضوابط انھوں نے ترک کرا دیے تھے۔ مہمانوں کے ساتھ بھی وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔ انہوں نے نئے سال، عید اور دیوالی کے موقعوں پر راشٹر پتی بھون کے دروازے عوام کے لیے کھول دیے تھے۔ وہ ان موقعوں پر ملنے آنے والے افراد سے مصافحہ اور گفتگو کرتے تھے۔
ان کے دوستوں کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ وہ وینا بجاتے تھے۔ ہر موقع کے لیے نظمیں تخلیق کرتے تھے۔ وہ ہر روز تقریباً چار سوای میل کا جواب دیا کرتے تھے۔ ان کے عملے کے لوگ ان کے اتنے گرویدہ تھے کہ ان کے حفاظتی عملے میں دہلی پولیس کا ایک ملازم رادھا کرشن پنت ان کی تعریف و توصیف میں ایک نظم تخلیق کر کے لے آیا تھا جس کا عنوان تھا ''ہر دلعزیز صدر''۔ اپنے ریاستی دوروں

میں وہ ایک دن میں دس پندرہ پروگرام ضرور رکھا کرتے تھے۔ اکثر دیر رات گئے تک لوگوں سے ان کے ملنے کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا۔ اپنے سفر کے دوران بھی وہ ہمیشہ لوگوں میں گھرے رہتے تھے۔ ہرنوت سے پٹنہ، بہار کے ان کے مشہور ریل کے سفر میں جس میں ان کے ساتھ وزیر اعلیٰ نتیش کمار بھی تھے، انھوں نے بہار کی یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو بھی بات چیت کے لئے بلا لیا تھا۔ اس سفر کے دوران، وہ کسی سرکاری اسکول میں پڑھنے والی دس سالہ لڑکی سے بھی ملے۔ یہ سنگیتا کماری ایک گھڑی ساز کی بیٹی تھی۔ اسے صدر جمہوریہ سے بات کرنے اور ان کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا۔ جب انھوں نے دوسرے دن اخبار میں ایک اور لڑکی مہ ناز فاطمہ کا روتا ہوا فوٹو دیکھا کیونکہ وہ صدر سے مل نہیں پائی تھی تو انھوں نے افسروں کو اس کا پتہ معلوم کرنے کے لئے کہا اور اسے اپنا دستخط کیا ہوا کارڈ ارسال کیا۔ جس میں ان کا تہنیتی پیغام بھی شامل تھا۔

مذہبی تہواروں دیوالی، ہولی، عید، گرونانک جینتی، کرسمس، بدھ جینتی، نوروز، مہاویر جینتی وغیرہ کے موقعوں پر لوگوں کی بڑی تعداد سے وہ ملا کرتے تھے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سماج کے مختلف طبقوں کے تہنیتی پیغامات بڑی خوشدلی سے قبول کیا کرتے تھے۔ گرونانک کے یوم پیدائش کے موقع پر گربانی اور کرسمس کے وقت اسکولی طلبا کے ذریعہ مذہبی نغموں پر مبنی پروگرام کا پابندی سے انعقاد کیا جاتا تھا۔ ان تقریبوں میں حصہ لینے کے علاوہ ایسے ہر پروگرام میں تقریر بھی ضرور کیا کرتے تھے۔

ایک بار انھوں نے دنیا کے مختلف علاقوں کے قارئین کی قرأت کا اہتمام بھی کروایا تھا، جو نئی دہلی میں بین الاقوامی قرأتِ قرآن کے مقابلے میں حصہ لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس پروگرام میں انڈونیشیا، ملیشیا، سری لنکا، مصر اور ہندوستان کی کئی ریاستوں سے قارئین اکرام نے شرکت کی تھی۔ اس طرح راشٹر پتی بھون میں ایک قرأت کا پروگرام منعقد ہوا تھا۔ ڈاکٹر کلام نے سورۂ فاتحہ خود پڑھ کر اس پروگرام کا افتتاح کیا تھا۔

ڈاکٹر کلام نے شادی نہیں کی تھی مگر وہ اپنے خاندان کے افراد، خاص طور پر اپنے بڑے بھائی جناب اے پی جے مُتھو مرائیکا ئیر اور ان کے بال بچوں اور ناتی پوتوں کے ساتھ جذباتی طور پر وابستہ تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے خاندان کے افراد میں سے کسی کو بھی راشٹر پتی بھون میں رہنے

کے لیے نہیں بلایا۔ جب ڈاکٹر کلام ہندوستان کے صدر تھے تو ان کے بھائی کا نواسہ غلام کے معین الدین نئی دہلی ہی میں کام کرتا تھا مگر وہ نئی دہلی میں کرائے کے ایک مکان میں منیر کا میں رہتا تھا۔

ایک مرتبہ انھوں نے اپنے خاندان کے سارے افراد کو جو تقریباً پچاس تھے راشٹر پتی بھون میں مدعو کیا تھا۔ یہی ایک موقع تھا کہ جب انکے جملہ اہلِ خاندان اور دیگر رشتہ دار پانچ دنوں کے لئے وہاں ان کے ساتھ رہے۔ انھوں نے راشٹر پتی بھون کے عملے کو بتا دیا تھا کہ انھیں ذاتی مہمانوں کے طور پر مانا جائے اور جس کا بل وہ خود سے ادا کریں گے۔ انھوں نے ان کے ٹھہرنے کے کمروں کا کرایہ اور ان کے کھانے اور دیگر لوازمات کا خرچہ خود ادا کیا۔ یہ بل تین لاکھ باون ہزار روپے کا تھا، جو کہ انھوں نے ادا کیا۔ جب وہ لوگ اجمیر شریف گئے تو ان کے سفر کے لیے انھوں نے ایک بس کرائے پر لی جس کا خرچہ بھی انھوں نے ادا کیا۔

ایسے واقعات بہت سارے ہیں! ایک بار انکے بڑے بھائی اے پی جے متھو مرائیکائیر، انکی بیٹی ناظمہ اور نواسہ غلام دسمبر 2005 میں جب حج کے لیے گئے تو انھوں نے بالکل عام عازمینِ حج ہی کی طرح سفر کیا۔ سعودی عربیہ میں ہندوستانی سفیر کو جب یہ پتہ چلا تو انھوں نے صدر کو فون کیا کہ آیا انکے اہلِ خاندان کو کسی قسم کی مدد درکار ہو تو مطلع کریں۔ ڈاکٹر کلام نے سفیر کو کہا کہ صرف یہی درخواست ہے کہ ان کے بھائی جو نوّے برس کی عمر کے ہیں، اپنا حج ایک عام حاجی کی طرح بغیر کسی سرکاری انتظامات کے ادا کرنا چاہتے ہیں، ''یہی انکی ذاتی خواہش ہے اور یہی میری بھی خواہش ہے!'' انھوں نے سفیر کو یہ اطلاع دی۔

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ وہ کتنے کھرے شخص تھے۔ یہی وہ تعلیم ہے جو سب کو اختیار کرنا چاہیے۔ وہ ''عوام الناس کے صدر'' تھے اور انکے دل و دماغ میں کسی قسم کا کوئی ذاتی یا خاندانی مفاد نہیں تھا۔ لقب ''عوام الناس کے صدر'' زبان زدِ خاص و عام ہو چکا تھا اور ان کی یہ عرفیت ان کی آخری سانس تک برقرار رہی۔ ان کی دیرینہ خواہش عوام کے ساتھ رہنے کی تھی اور دھرتی کو قابلِ رہائش سیارہ بنانے کے موضوع پر طالب علموں کے بیچ اپنا خطبہ پیش کرتے ہوئے، وہ شیلانگ میں انتقال فرما گئے۔

میں ان کی خودنوشت سوانح عمری، ''وِنگس آف فائر'' میں سے ایک اقتباس پیش کرتا

ہوں: ''یہ کہانی میرے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ دنیاوی معنوں میں میرے پاس کچھ جمع نہیں ہے۔ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا۔ کچھ بنایا نہیں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، نہ فیملی نہ بیٹے نہ بیٹیاں۔

اس عظیم سرزمین میں، میں ایک کنواں ہوں
دیکھ رہا ہوں لاکھوں لڑکے لڑکیوں کو
کہ مجھ میں سے کچھ کھینچیں
لا متناہی اُلوہیت
اور ہر طرف پھیلی ہوئی پروردگار کی رحمتیں
ایسی، جیسے کسی کوئیں سے نکلتا پانی

میں اپنے آپ کو دوسروں کے لیے مثال بنانا نہیں چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے کچھ قاری ضرور ترغیب حاصل کریں گے اور روحانی زندگی میں پائے جانے والے گہرے سکون کو محسوس کریں گے۔ خدا کی قدرت ہی تمہارا ورثہ ہے۔ میرے پرداداول، میرے دادا پا کر اور میرے والد زین العابدین کے خون کا تسلسل عبدالکلام پر ختم ہو سکتا ہے لیکن خدا کا فضل کبھی ختم نہیں ہوگا کیونکہ وہ ابدی ہے۔''

ان کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے شری نریندر مودی نے انھیں ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا۔ ''ہمارے سائنسداں صدر، جنھیں عوام نے سچے دل سے پیار کیا اور سراہا۔ بھارت نے اپنا ایک رتن کھو دیا ہے۔ لیکن اس نگینے کی روشنی 'انڈیا۔ علم کا سپر پاور' والے ان کے خواب کی تعبیر کی جانب ہماری رہنمائی کرے گی۔''

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر جناب براک اُبامہ نے ان کی رحلت پر اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ڈاکٹر کلام جنھیں، بجا طور پر ''عوام الناس کا صدر'' کہا گیا ہے، جس عجز و لگن سے عوام کی خدمت کے لیے وقف تھے، لاکھوں ہندوستانیوں اور دنیا بھر میں اپنے چاہنے والوں کے لئے باعثِ ترغیب تھے۔

انسان دوست

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام سچ مچ میں ایک انسان دوست شخص تھے۔ وہ ہمیں بتاتے تھے کہ بنی نوع انسان کی سب سے اہم خوبی یہ مانی جاتی ہے کہ اسے ایک اچھا انسان ہونا چاہیے۔ اس کی یہ صفت ہر دوسری شئے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایک 'اچھا بشر ہے تو وہ زندگی کے ہر میدان میں اچھا ثابت ہوگا۔ کلام کے مزاج کی سادگی کافی شہرت کی حامل رہی ہے لیکن ان کی زندگی کا دوسرا اہم پہلو جو انھیں ایک بالکل منفرد شخصیت بناتا ہے، وہ بحیثیت ایک انسان دوست ان کی عظمت ہے۔

مختلف طور پر معذور لوگوں کی ضروریات کے معاملے میں وہ بڑے حساس تھے۔ مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ جب راشٹر پتی بھون کے زرد مہمان خانے میں وزارتِ صحت کی جانب سے ضعفِ بصارت کے شکار لوگوں کے موضوع پر ایک پروگرام چل رہا تھا۔ اس وقت کے سکریٹری برائے صحت نے اپنے تعارفی کلمات میں بصارت سے محروم لوگوں کے لیے جیسے ہی لفظ 'اندھے' کا حوالہ دیا تو ڈاکٹر کلام بڑے غضب ناک ہوگئے تھے۔ انھوں نے فوری طور پر سکریٹری برائے صحت کو بولنے سے روک دیا اور اس سے کہا کہ یہ لوگ اندھے نہیں ہیں، ہم عام بشر اندھے ہیں جو چیزوں کو صحیح نقطۂ نظر سے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے سکریٹری برائے صحت کو معافی مانگنے کو کہا اور بینائی

سے محروم لفظ استعمال کرنے کو کہا۔ آخرالذکر نے ڈاکٹر کلام اور سامعین سے بڑی عاجزی کے ساتھ معافی مانگتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ سامعین میں بینائی سے محروم لوگ اس پروگرام میں شامل تھے۔ اُس وقت کے وزیر صحت شری شتروگھن سنہا بھی اس موقع پر وہاں موجود تھے۔

وہ انسانوں کے مابین باہمی تعاون پر بہت زور دیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے اختلافات اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر ہماری مشترکہ بشریت اس سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

1962 میں وکرم سارا بھائی استوائی علاقے میں خلائی تحقیقی مرکز قائم کرنے کے لیے کسی جگہ کی تلاش کر رہے تھے۔ وہ کئی مقامات پر گئے۔ کیرالہ میں تُھمبا انہیں مناسب جگہ لگی کیونکہ وہ مقام استوائی آیونی طبق سے قریب ترین جگہ تھی جہاں زمین کے کرۂ روانیہ کے استوائی علاقے میں مشرق کی جانب دن میں ہوائی لہروں کے چلنے سے ایک پتلی پٹی بن جاتی ہے۔ اس طرح بالائی کرۂ ارض میں کرۂ روانیہ سے متعلق تحقیق میں مدد مل سکتی تھی۔ لیکن پالی تھرا علاقے میں بہت سے گاؤں میں ہزاروں مچھواروں کی بستیاں موجود تھیں۔ یہ قدیم سینٹ میری میگالین چرچ اور اس کے اُسقف (بیشپ) کے گھر کی جگہ تھی۔

کوئی سیاستداں یا بیوروکریٹ، سائنٹیفک مقاصد کے لئے اس زمین کو حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، وکرم سارا بھائی نے پورے اعتماد کے ساتھ تیرو آننت پورم کے بیشپ کے سامنے اس مسئلے کو رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت پیٹر برناڈ پریرا مقدس باپ کی حیثیت سے وہاں کے اُسقف (بیشپ) تھے۔ وکرم سارا بھائی نے سنیچر کے روز، ان کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی۔ بیشپ نے بڑے اطمینان سے ان کی باتیں سنیں اور انہیں اتوار کے دن صبح کے دعائیے میں شریک ہونے کے لیے کہا۔

بیشپ نے مجمع کے سامنے اپنا خطبہ پیش کیا۔ میرے بچو! میرے پاس ایک مشہور سائنسداں آئے ہیں جو چرچ اور وہ زمین جہاں میں رہتا ہوں، خلائی سائنس کے تحقیقاتی کاموں کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ پیارے بچو! سائنس سچائی کی تلاش کرتی ہے جس سے انسانی زندگی بہتر بنتی ہے۔ روحانیت مذہب کی اعلیٰ ترسطح ہے۔ مجھ جیسے روحانیت کے معلم، پروردگار سے انسانوں کے لیے ذہنی سکون کی دعا مانگتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ جو وکرم کر رہے ہیں وہی میں بھی کر رہا

ہوں۔ سائنس اور روحانیت دونوں پروردگار کی رحمت کے طلب گار ہیں، تاکہ ذہن اور جسم میں اطمینان پیدا ہو۔ ہماری رہائش گاہیں اور چرچ نئے بنا کر ہمیں دے دیے جائیں گے۔ بچوں! سائنٹیفک مہم کے لئے کیا ہم خدا کا گھر، اپنا گھر اور تمہارے گھروں کی قربانی دے سکتے ہیں۔؟ اس وقت مکمل خاموشی چھا گئی اور اس کے بعد مجمع میں سب نے مل کر 'آمین' کہا، جس سے پورا چرچ گونج اُٹھا۔ تیروآننت پورم کے بیشپ نے ہندوستانی خلائی تحقیقی ادارے (اسرو) کی تعمیر کے لئے چرچ کی پوری عمارت اور زمینوں کو نذر کر دینے کا عظیم فیصلہ لے لیا۔ ڈاکٹر کلام نے چرچ کی اس تبدیل شدہ عمارت کی جگہ پر اپنا کام کرنا شروع کیا جو کہ راکیٹ ڈیزائن کا مرکز بنا۔ انھوں نے وہاں راکٹ کی تشکیل و تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ بعد میں تھمبا اکویٹوریل راکٹ لانچنگ اسٹیشن (ٹی ای آر ایل ایس) میں وکرم سارا بھائی خلائی مرکز (وی ایس ایس سی) کا قیام عمل میں آیا اور ملک بھر میں کئی اور خلائی مراکز بھی قائم کیے گئے۔

ڈاکٹر کلام اس قصے کو اپنی تقریروں میں بیان کرتے رہتے تھے کہ کس طرح چرچ کی زمین وکرم سارا بھائی خلائی مرکز کے لیے خود چرچ کی رضا مندی کے ساتھ مختص کی گئی تھی اور کیسے سائنٹیفک مقاصد کے حصول میں معاونت کا انسانی پہلو باقی تمام مصلحتوں پر غالب رہا۔ وہ اس واقعے کا بیان سائنٹیفک مقاصد میں انسانی معاونت کی بہترین مثال کے طور پر کیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم سبھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کرلیں تو بہت سارے سماجی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔

ایک بار جب سردی کے دنوں میں وہ راشٹر پتی بھون کے آنگن میں ٹہل رہے تھے جیسا کہ وہ پابندی کے ساتھ کیا کرتے تھے، ان کا دھیان اس بات پر گیا کہ حفاظتی عملہ جس کیبن میں کھڑا ہو کر اپنا فرض ادا کرتا ہے اسے گرم اور ٹھنڈار کھنے کے لیے کوئی سہولیت فراہم نہیں کی گئی تھی۔ رات میں نگہبانی کرتے وقت یہ لوگ سردی سے کانپنے لگتے تھے، اس سے نہ صرف انکی مستعدی متاثر ہو رہی تھی بلکہ انکی صحت پر بھی خراب اثرات پڑ سکتے تھے۔ انھوں نے متعلقہ افسروں کو بلایا اور اس کیبن میں موسم سرما میں چھوٹا ہیٹر اور موسم گرما میں ایک پنکھا لگوانے کی ہدایت دی۔ یہ حفاظت کے لیے تعینات عملے کے لئے ایک بڑی راحت تھی اور بعد میں دوسری جگہوں پر بھی اس پر عمل کیا گیا۔

وہ فطرتاً بڑے رحم دل اور شفیق تھے۔ وہ جتنی راکٹ اور میزائل میں دلچسپی رکھتے تھے، اتنی ہی دلچسپی انہیں فن اور ثقافت میں بھی تھی۔ راشٹر پتی بھون میں انھیں کی ایما پر ''اِندر دھنش'' نامی ثقافتی پروگراموں کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ ان کی مدت کار میں قومی اور بین الاقوامی شہرت یافتہ فن کاروں کے بشمول بڑی تعداد میں دیگر فن کار اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے وہاں مدعو کئے جاتے تھے۔ جن فنکاروں نے وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کیا ان میں کلاسیکی رقاص، گلوکار اور صوفیانہ موسیقی کے فن کار شامل تھے۔ وہ ہمیشہ نئے اور ابھرتے ہوئے فنکاروں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

ہر یومِ آزادی اور یومِ جمہوریہ پر نمائشیں منعقد کرائی جاتی تھیں، جن میں ابھرتے فنکاروں کی تخلیقات کی نمائش کی جاتی تھی۔ وہ جسمانی طور پر معذور اور بینائی سے محروم فنکاروں کو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے مدعو کرتے تھے اور خود ذاتی طور پر ان کی دیکھ بھال کرنے لگتے تھے۔

وہ جانوروں اور پرندوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ، وہ مغل گارڈن میں ٹہل رہے تھے کہ انھوں نے ایک مور دیکھا جو اپنا منہ کھول نہیں پا رہا تھا۔ انھوں نے فوراً ہی جانوروں کے معالج میجر (ڈاکٹر) وائے سدھیر کمار کو مور کے طبّی معائنے کے لیے راشٹر پتی بھون میں بلوایا۔ انھوں نے تشخیص میں پایا کہ اس مور کے منہ میں ٹیومر تھا۔ جس کے سبب وہ منہ کھول اور بند نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ کچھ کھانے کی حالت میں بھی نہیں تھا اور شدید تکلیف میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر کمار اسے اسپتال لے گئے اور اسکا فوری طور پر آپریشن کیا گیا۔ ٹیومر نکال دیا گیا۔ مور کو چند روز آئی سی یو (انتہائی دیکھ بھال کی یونٹ) میں رکھا گیا اور بعد میں اسے گارڈن میں چھوڑ دیا گیا۔ ڈاکٹر کلام اپنے اس پرندوں سے محبت کا تذکرہ بڑی خوشی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ وہ ہم سب سے کہتے کہ کیسے ایک بری طرح سے بیمار مور دوبارہ اپنے جھنڈ میں پہنچ کر ناچ رہا تھا۔ ان کے لیے ہر پرندہ اور جانور اہم تھا اور وہ چاہتے تھے کہ سبھی لوگ اس معاملے میں اچھے انسان بن جائیں۔

ان سے ملاقات کے دوران بچے ان سے پوچھا کرتے تھے کہ'' آپ کی زندگی کا سب سے زیادہ خوشی کا لمحہ کون سا تھا؟'' اس بات پر وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ'' مجھے سب سے زیادہ

خوشی اس وقت ملتی ہے جب میں جسمانی طور پر معذور بچوں کو (ایف آر او) ہلکی فلورری ایکشن آرتھوسس کیلیپرس لگائے، آسانی کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھتا ہوں۔'' یہ کیلیپرس یعنی چاپیں ڈاکٹر کلام کی ٹیم نے تیار کی تھیں اور اسے میزائل ٹکنالوجی کی ضمنی پیداوار مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کلام نے ڈاکٹر سوماراجو کے ساتھ مل کر دل کے علاج کے لیے ایک کارڈینک اسٹینٹ بھی ایجاد کیا تھا۔ اس کا سند حق ایجاد کلام راجو اسٹینٹ کے طور پر کرایا گیا تھا۔ مارکیٹ میں وہ بہت ہی کم قیمت پر مہیا کرایا گیا۔ جس کے سبب درآمد کیے جانے والے اسٹینٹوں کی قیمت تیزی سے گرگئی۔

ڈاکٹر کلام گاندھی جی کے اس فلسفے میں یقین رکھتے تھے کہ انسانوں کو اچھے اور بُرے میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بُرے صرف اعمال ہوتے ہیں۔ اپنے آپ میں کوئی آدمی بُرا نہیں ہوتا ہے۔ ان کا قائل کرنے اور رضامندی اختیار کرنے میں بھی گہرا یقین تھا۔

عہدۂ صدارت پر فائز ہونے کے بعد، 15 اکتوبر 2002 کو اپنی پہلی سالگرہ پر وہ اپنے ہمراہ وفد کے ساتھ اروناچل پردیش کے تاوانگ علاقے میں گئے تھے، جو چین سے متصل سرحد کا بلند ترین مقام ہے۔ وہاں سب سے پہلے وہ تاوانگ موناسٹری دیکھنے گئے۔ یہ موناسٹری 11000 فیٹ کی اونچائی پر واقع ہے۔ وہاں ڈاکٹر کلام نے ننیانوے برس کی عمر کے ہیڈ لاما رن پوچے سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں بے حد دلچسپ نوعیت کی گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر کلام نے ان سے لوگوں کے لیے ان کا پیغام جاننا چاہا۔ اس وقت انہوں نے جواب دیا: ''اوہ، صدر محترم، میں کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ آپ تو صدر ہیں۔ آپ ہر چیز جانتے ہیں۔'' ڈاکٹر کلام نے پیغام کے لیے مزید اصرار کیا تو رن پوچے نے کہا: ''آپ کو لوگوں سے کہنا چاہیے کہ 'میں' اور 'مجھے' ترک کر دیں۔ یہ 'میں' اور 'مجھے' سے اَنا پیدا ہوتی ہے اور اَنا ہی سارے مسئلوں کی جڑ ہے۔'' انھوں نے آگے یہ بھی مشورہ دیا کہ ڈاکٹر کلام اس پیغام کو ملک بھر میں پھیلا دیں۔ ان دو عظیم المرتبت، انسان دوست ہستیوں کی اس پاک گفتگو کا میں راز دار تھا۔ ڈاکٹر کلام ان کے اس راست اور مختصر جواب سے متاثر ہوئے، خاص طور سے ان کے اس پیغام سے کہ یہ اَنا ہی ہے جو خود غرضی کی انتہا کو پہنچتی ہے تو ہر قسم کے تشدد کو پیدا کرتی ہے۔

ڈاکٹر کلام نے اس پیغام کا، اپنی کئی تقریروں میں یہ بتانے کے لیے حوالہ دیا کہ ایک اچھا انسان وہ ہوتا ہے، جو اَنا نہیں رکھتا اور جس پر لفظ خود کا خبط طاری نہ ہو۔

ڈاکٹر کلام نے ہمیشہ نیکوکاری پر زور دیا۔انہوں نے روحانی مراکز میں سے ایک جگہ ایک نظم سنی، جس کے ایک بند کا وہ اکثر اپنی تقریروں میں حوالہ دیا کرتے تھے:

جب دلوں میں نیکوکاری کا جذبہ ہوتا ہے
کردار میں حسن آجاتا ہے
جب کردار میں حسن ہوتا ہے
تو گھر میں ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے
جب گھر میں ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے
تو ملک میں تابع داری آجاتی ہے
جب ملک میں تابع داری آجاتی ہے
تو دنیا میں امن و آشتی قائم ہوجاتی ہے

وہ کہتے تھے کہ 'نیکوکاری کا ملک کی امن و آشتی سے راست تعلق ہوتا ہے۔نیکوکاری اور انسانیت ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔یہ دونوں اوصاف ایک دوسرے پر مبنی بھی ہوتے ہیں'۔

مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر کلام کے بہترین خطبات میں سے ایک جو انہوں نے بیرونِ ملک پیش کیا تھا ،انسانیت اور روشن خیال سماج کے ارتقا کے موضوع پر تھا ۔یہ خطبہ انھوں نے 25اپریل 2007 کو یوروپین یونین کی پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا جس میں ستائیس ممالک شامل تھے ۔یہ پہلی بار تھا کہ ایک ہندوستانی صدر یوروپین یونین پارلیمنٹ کو خطاب کر رہا ہو۔انھیں پچیس منٹ دیے گئے تھے۔فرانس کے اسٹراس برگ میں یوروپین یونین کا پارلیمانی ہال ہمارے یہاں کے سینٹرل ہال سے کافی زیادہ بڑا تھا۔جب ڈاکٹر کلام نے وہاں خطاب کیا تو یہ ہال اس وقت دیگر افسرانِ اعلیٰ کے علاوہ یوروپین یونین کے اراکین پارلیمنٹ سے بھرا ہوا تھا۔ڈاکٹر کلام نے اپنی تقریر پینتالیس منٹ میں پوری کی، جسے مکمل خاموشی کے ساتھ سنا گیا اور اس کے بعد زوردار تالیوں کے ساتھ اسے سراہا گیا۔دوردرشن اور این ڈی ٹی وی نے اس کے براہِ راست ٹیلی کاسٹ کے انتظامات کر رکھے تھے۔پاور پوائنٹ سلائڈس ایک کے بعد ایک چلتی رہیں ۔آخر میں انھوں نے 'یوروپین

یونین کے نام دھرتی ماں' کا پیغام عنوان سے اپنی ایک نظم پیش کی۔

ڈاکٹر کلام نے کہا کہ ملکوں کی ایک طاقتور یونین بنانا ایک ایسا بڑا کام تھا جو یوروپین یونین نے قومی شناختوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتا کیے بغیر کر دکھایا ہے۔ یہ انسانی اشتراکیت کے جذبے کے باعث ہی ممکن ہوا ہے۔ ڈاکٹر کلام نے یوروپین یونین کو انسانی امکانات کا سنہری کارنامہ قرار دیا۔ انھوں نے اعلیٰ اقدار کے حامل شہریوں کی تعمیر و تشکیل کے لیے ایک پُرسکون اور خوشحال دنیا قائم کرنے کی خاطر ایک حق شناس اور روشن خیال سماج کے ارتقا کے بارے میں بڑی موثر تقریر کی۔ انھوں نے یوروپین ملکوں کے مابین بھی اَن گنت جنگوں کا حوالہ دیا، جن میں دو عالمی جنگیں بھی شامل ہیں کہ جن کے باعث خلقِ خدا کو ناقابلِ تصور مصائب و آلام جھیلنا پڑے۔ دراصل ان عوامل کے پس منظر میں یوروپین یونین اس پورے خطّے کے امن اور خوشحالی کے وژن کے ساتھ معرضِ وجود میں آئی ہے۔ ڈاکٹر کلام نے کہا کہ یوروپین یونین، ملکوں کے مابین دیرپا روابط کی ایک مثال بن چکی ہے۔ اب یہاں جنگ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور دیرپا علاقائی امن یہاں ایک حقیقت بن چکا ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہندوستان اور یوروپین یونین اس بات کے گواہ ہیں اور سماج کے کچھ بے راہ روی کے شکار طبقوں سے سرزد ہوئی بدمزگیوں کو جھیل بھی رہے ہیں۔ ہمیں مشترکہ طور پر مل کر اس صورتِ حال کی بنیادی وجوہات تک پہنچ کر امن کو بڑھاوا دینے کے لیے دیرینہ حل تلاش کرنا ہوں گے۔

یوروپین یونین کے صدر ہانس گرٹ پوٹرنگ نے ڈاکٹر کلام کا شکریہ ادا کیا اور کہا، ہم نے کبھی بھی ایسی تقریر نہیں سنی۔ یہ تو الہامی نوعیت کی تقریر تھی۔' تقریر کے اختتام پر اراکین نے کھڑے ہو کر بڑے پُرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا۔ یوروپین یونین کے لیے ان کی تحریر کردہ ایک نظم کے مندرجہ ذیل قابلِ عمل نکات تھے۔

اور پھر یوروپین یونین کا وژن ظہور پذیر ہوا
عہد کیا گیا
انسانی علوم کو
خود اپنے اور دوسروں کے خلاف

کبھی استعمال نہیں کرنا ہے
اپنے افکار میں متحد
آشکار ہوتے اعمال
یوروپ کو خوشحال اور پُر امن بنانے کی خاطر
یوروپین یونین ظہور پذیر ہوا

ان کے دورِ صدارت کے دوران ،قومی انسانی حقوق کمیشن کے ذریعہ ایک تقریب میں انھوں نے ذی اختیار انسانی زندگی کا اپنا تخیل پیش کیا۔انھوں نے کہا کہ وہ کئی ریاستوں میں گئے اور ہر شعبۂ حیات کے لوگوں سے ملے بشمول ان لوگوں کے جو فرقہ وارانہ فسادات ،غربت اور بے روزگاری سے متاثر تھے۔انھوں نے سوال اٹھایا: کیا بنی نوع انسانی کا انفرادی،قومی یا عالمی نظریہ کا ادراک مختلف ہوتا ہے؟انھوں نے پیشن گوئی کی تھی کہ مستقبل کی جنگیں آپس میں ملکوں کے درمیان شاید ہی لڑی جائیں گی۔لڑائیوں میں چھوٹے حلقے ہی ملوث ہوں گے جو اکثر اپنے مختاروں کے ذریعہ ہی لڑی جائیں گی۔ڈاکٹر کلام نے زور دیا کہ اس نئے منظر نامے میں انسانی حقوق کی تقریباً بعید از انسانی قیاس نوعیت کی تباہی ہوگی۔ہم اب ان کی اِن افسوسناک پیشن گوئیوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں خصوصاً مشرقِ وسطیٰ میں عملی طور پر ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔

صدر کلام نے اپنے عہدِ صدارت کو آدرش واد اور اپنے مخصوص وژن کا نور عطا کیا تھا اور ان کی اُصول پرستی ابراہم لنکن کی یاد تازہ کراتی ہے۔انھوں نے اعلان کیا تھا کہ ''ملک کے ہر شہری کو عزتِ نفس کے ساتھ جینے کا حق ملنا چاہئے۔ہر شہری کو مراتب حاصل کرنے کی آرزو کا حق ملنا چاہئے۔وسیع پیمانے پر مواقع کی فراہمی اور عزتِ نفس اور رتبہ پانے کے لیے مناسب اور منصفانہ ذرائع دستیاب کرانا ہی دراصل جمہوریت کی روح ہے۔انہی سب باتوں کے لیے ہمارا آئین بنا ہے اور یہی سب باتیں ایک سچی اور جاوداں جمہوریت میں زندگی کو مبسوط اور جینے کے قابل بناتی ہیں۔

ایک بار صدر کلام کو ہریانہ کے گڑگاؤں (گروگرام) میں ایک اچھے انسان کی تعمیر و ارتقا پر برہم کماری اکیڈمی کے منعقدہ ایک تقریب میں مدعو کیا گیا تھا۔انھوں نے وہاں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

کی سوانح حیات، پرلکھی کتاب ''فدائدالجواہر'' کا حوالہ دیا۔انھوں نے اس کتاب کے حوالے سے اُن بارہ خوبیوں کا تذکرہ کیا تھا جو ایک اچھے انسان میں ہونا چاہئے۔انھوں نے کہا کہ دوسب سے اہم اوصاف منجانب اللہ کے آتے ہیں،یعنی جو ہمیشہ معاف کرنے اور بخشنے کے لیے تیار رہتا ہے ۔جس شخص میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں وہ ایک اچھاانسان ہوتا ہے۔

13اپریل2003 کو برہم کماریوں کی عالمی سربراہ راج یوگنی دادی پرکاش منی کے ساتھ انھوں نے اوم شانتی ریٹریٹ سینٹر کا افتتاح بھی کیا۔ڈاکٹر کلام نے وحدتِ انسانیت میں اپنے گہرے عقیدے کا حوالہ دیا۔اس موقع پر انھوں نے لارڈ مہاویر کے حوالے سے کہا:''انسان خود اپنے ہی وسیلہ سے نجات پاتا ہے۔جو تین رتنوں جیولس(Jewels) کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔صحیح ایمان،صحیح علم اور صحیح سلوک''

31 مئی2003 کو پھر صدر کلام نے مہابودھی ٹیمپل کو عالمی ورثے کے حامل مقامات کی فہرست میں شمولیت کا جشن منانے کی خاطر منعقد کی گئی تقریب کے سلسلے میں بودھ گیا کا دورہ کیا۔

صدر کلام نے گوتم بدھ کے عدمِ تشدد،شانتی اور انسانی اُخوّت کے اُصولوں پر تفصیل سے تقریر کی اور گیا میں بودھی پیڑ کے زیرِ سایہ گوتم بدھ کو کیسے علم کا عرفان ہوا،یہ بتاتے ہوئے کہا:''ایک اچھے انسان کو شانت،تشدد سے پاک اور روادار ہونا چاہئے۔''

انھوں نے گیا شہر سے پندرہ کلومیٹر پر واقع چر کی مقام پر''گیا مسلم یتیم خانہ'' کے مکینوں سے بھی ملاقات کی اور'اچھے انسان' کے موضوع پر تقریر کی اور یہ بتایا کہ اچھے انسان کو کیسے مادّی ترغیبات سے اوپر اُٹھ کر چلنا چاہئے۔گوتم بدھ کے قول کی مثال بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ آدمی کی ذہانت،انسانی فلاح و بہبود کے بنا محض دنیاوی عظمتوں اور شہرتوں کے حصول میں،صَرف ہوتی ہو،تو یہ ایک اچھے انسان کی تعمیر نہیں کرسکتی۔

انھوں نے تیرہویں صدی کے صوفی خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تعلیمات پر بھی تقریر کی۔ڈاکٹر کلام نے خواجہ صاحب کے اقوال کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ''جس میں ندی کی سی فراخ دلی ہو،سورج کا سا رحم اور زمین کی سی عاجزی ہو،وہی خدا سے قریب ترین ہوتا ہے۔خواجہ صاحب نے لوگوں کو افلاس میں خوش دلی،بھوک میں قناعت پسندی،غم میں شادمانی اور دشمنی میں

مہربانی کے اوصاف رکھنے کی ہدایت دی۔ ایک اچھا آدمی وہ ہے جو بھوکوں کو کھلاتا ہے اور دین دکھیوں کی مدد کرتا ہے۔'' ڈاکٹر کلام نے طلبا کو خواجہ صاحب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اچھا انسان بننے کی تلقین کی۔

نومبر 2002 میں رمضان کا مہینہ آگیا۔ ہر سال راشٹر پتی بھون میں سیاست دانوں، سرکاری افسروں اور سفارت کاروں کے لیے روایتی افطار پارٹی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر کلام نے اس معاملے میں مجھ سے اور اپنے سیکریٹری سے بات کی۔ ان کا خیال تھا اس میں کچھ بھی مذہبی نہیں تھا اور یہ ایک مکمل طور پر سماجی تقریب تھی۔ لہٰذا، یہ رقم رمضان کے اصل مقصدِ عبادت کے علاوہ خیرات میں بھی صرف کی جانا چاہیے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ یہ رقم مختلف یتیم خانوں اور بچوں کے گھروں میں چاول، دالیں، کمبل اور سویٹرس جیسے سامان کی شکل میں ان کی ضروریات پوری کرنے میں لگا دینی چاہیے۔ انھوں نے ہمیں یہ بھی کہا کہ سرکاری خزانے کی اس رقم کے ساتھ ہی وہ خود اپنا ذاتی پیسہ بھی دیں گے۔ اٹھائیس یتیم خانوں، بچوں کے گھروں اور مدرسوں میں وہ سامان تقسیم کر دیا گیا۔ میں ذاتی طور پر بڑی تعداد میں دہلی اور اس کے نواحی علاقوں غازی آباد، میرٹھ اور ہاپوڑ کے مختلف فلاحی اداروں میں ان اشیا کی تقسیم کی غرض سے گیا تھا۔ ان کے پانچ سال کے عرصۂ صدارت میں ہر سال یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔

اپنے عہدۂ صدارت کے آخری برس میں رمضان کے دوران انھوں نے دریا گنج میں واقع ''بچوں کے گھر'' میں مکین بچوں کے لیے راشٹر پتی بھون میں خصوصی طور پر افطار وعشائیے کا اہتمام کرایا تھا۔ یہ ایک سوسال پرانا ادارہ ہے۔ انھوں نے ان بچوں کے ساتھ ہی روزہ کھولا اور ماہِ رمضان کی فضیلت سے متعلق باتیں کرتے ہوئے بتایا کہ پوری دنیا میں مسلمان اس ماہ میں صبح سے شام تک روزہ رکھتے ہیں، عبادتیں کرتے ہیں اور صدقہ وخیرات وزکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر کلام خود اپنی زکوٰۃ (اپنی کمائی اور مال واسباب سے بچنے والی رقم کا 2.5 فیصد) رمضان کے مہینے میں ہر سال مستحق طبقے کے لیے نکال کر ادا کرتے تھے۔

آچاریہ مہاپراگیہ جین مت کے شویتامبر تیراپنتھ کے دسویں گرو ہیں۔ انھوں نے گجرات کے شہر سورت میں 15 اکتوبر 2003 کو ڈاکٹر کلام کی سالگرہ کے دن سبھی عقائد کے روحانی پیشواؤں

کی ایک کانفرنس منعقد کی تا کہ عقیدوں کے مابین ایک وسیع سطح کی ہم آہنگی قائم ہو سکے۔ڈاکٹر کلام نے کانفرنس کا افتتاح کیا اور ان بزرگ ہستیوں کے ساتھ تقریباً پورا دن گزارا۔اس وسیع اجتماع نے تمام مذاہب کے بنیادی اُصولوں پر مبنی ایک لائحہ عمل اخذ کیا تا کہ روشن خیال شہریوں کی تعمیر وتشکیل کی جا سکے اور ہندوستان کی متنوع آبادی کے منظرنامے میں ذہنوں کے ملاپ کی فضا قائم ہو سکے۔ اس کانفرنس کو''سورت علامیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

''سورت علامیہ'' کے افکار وخیالات کو بڑھاوا دینے کے لیے ڈاکٹر عبدالکلام کی زیر ہدایت 12جون 2004میں فیوریک FUREC (فاؤنڈیشن فار یونیٹی آف ریلی جن اینڈ اینلائٹمنٹ) یعنی مذہب وروشن خیالی کے اتحاد کی انجمن بنائی گئی۔پہلے ہی برس میں فیوریک نے ملک بھر میں 70 سے زیادہ میٹنگیں منعقد کیں، جن میں مختلف مذہب کے نمائندے جمع ہوئے اور اس مقصد کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کی۔ڈاکٹر کلام نے''یونٹی آف مائنڈس''(اذہان کا اتحاد) کے موضوع پر طلباً کے لیے مضمون نگاری کے سالانہ مقابلے کا انعقاد کرایا۔یہ تجربہ بڑا کامیاب رہا اور لاکھوں بچوں نے اس میں حصہ لیا۔اہلِ وطن کی فلاح و بہبود کے لیے بین مذہبی حصہ داریوں کی تشکیل کی جانب یہ ڈاکٹر کلام کی ایک سعی تھی۔

انسانی بہبود سے متعلق تمام شعبوں میں ان کی دلچسپی اور ان کا علم بے مثال تھا۔اس کی ایک مثال کوچلیئر امپلانٹ میں ان کی گہری دلچسپی تھی۔یہاں ہم پیدائشی طور پر قوت سماعت سے محروم بچوں کی دوبارہ سننے کی صلاحیت کو بحال کرنے کی اس تکنیک کی ایجاد سے متعلق ڈاکٹر کلام کی وابستگی کا ایک واقعہ بتا رہے ہیں۔پروفیسر (ڈاکٹر) جے ایم ہانس ہندوستان میں اس تکنیک کے روحِ رواں تھے۔انھوں نے مجھے اس موضوع پر ڈاکٹر کلام کی علمیت اور بچوں کی بہبود میں ان کی دلچسپی کے بارے میں بتایا۔جب ایک اخبار میں ڈاکٹر ہانس کا لکھا ہوا مضمون شائع ہوا تو ڈاکٹر کلام نے اس موضوع پر گفتگو کی غرض سے انہیں بلانے کے لیے اپنے اسٹاف کو ہدایت دی۔ڈاکٹر ہانس نے مشاہدہ کیا:''کان کے اندرونی حصے میں سماعت کا آلہ نصب کرنے کی کوچلیئر امپلانٹ کی تکنیک کے بارے میں ان کو اتنی زیادہ معلومات تھیں، یہ جان کر میں حیران رہ گیا۔وہ پہلے ایک سائنسداں تھے اور اس معاملے میں وہ پوری طرح مستعد تھے'' آگے چل کر ڈی آر ڈی او نے صدر کلام کی رہنمائی

میں پوری طرح دیسی کوچلیئر امپلانٹ تیار کرنے کے پروگرام کی پہل کی۔ ہندوستان ہی میں تیار کیا گیا کوچلیئر امپلانٹ بہت جلد ہی ایک حقیقت بننے جارہا تھا۔

بحیثیت صدر ان کے مدت کار کے اختتام پر ڈاکٹر کلام نے 25 لاکھ روپئے کی اپنی ذاتی بچت کی رقم کو سماعت سے محروم بچوں کے علاج کے لیے کوچلیئر امپلانٹ پروگرام میں عطیہ کردیا۔

جولائی 2006 میں جب وہ جموں وکشمیر کے دورے پر گئے تو شری نگر میں انھوں نے بچوں کے ساتھ گفتگو کی۔ شری نگر کے تبتی اسکول کی ایک طالبہ حمیرہ نے ان سے دریافت کیا کہ ''کیا تاریخ میں آپ ایک عظیم سائنسداں، ایک عظیم صدر جمہوریہ یا ایک عظیم استاد کے طور پر یاد رکھا جانا پسند کریں گے؟'' انھوں نے فوری طور پر جواب دیا، ''میں بحیثیت ایک اچھے انسان کے یاد رکھا جانا چاہوں گا۔''

پارلیمانی اراکین سے ملاقاتیں

صدر کلام لوک سبھا اور راجیہ سبھا دونوں کے اراکینِ پارلیمنٹ کے ساتھ اکثر و بیشتر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی مدتِ کار کے دوران انھیں دس بار اِن اراکین کے سامنے خطاب کرنے کا موقع بھی ملا۔ ترقی یافتہ ہندوستان کے وژن 2020 کے نصب العین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انھوں نے اراکینِ پارلیمنٹ کے ساتھ کئی اقدامات کی ابتداء کی۔ انھوں نے کئی ایسے پروگرام مرتب کیے کہ جن کے توسط سے وہ وزیرِ اعظم، وزرائے اعلیٰ، گورنروں، ریاستی اراکینِ مجلسِ قانون ساز، سربراہانِ حسبِ اختلاف اور ذرائع ابلاغ کے ساتھ باہمی ملاقاتیں کیں۔ پارلیمانی اراکین کے ساتھ گفتگو کرنا ہمیشہ ان کی خاص توجہ کا محور ہوا کرتا تھا۔

اپنے دورِ صدارت کے ابتدائی دنوں کی اہم سرگرمیوں میں سے ایک، الگ الگ ریاستوں کے اراکینِ پارلیمنٹ کے ساتھ راشٹر پتی بھون میں ناشتے پر ملاقات کی دعوت دینا تھا۔ اس طرح انھیں مختلف ریاستوں اور یونین ٹیریٹریوں میں ترقی کی سرگرمیوں کے بارے میں تازہ ترین معلومات مل جایا کرتی تھی۔ یہ میٹنگیں 11 مارچ 2003 سے 6 مئی 2003 کے درمیان تین مہینے کے اندر منعقد کی گئی تھیں۔ یہ سب میٹنگیں تقریباً ایک گھنٹے تک چلتی تھیں، اس کے بعد ناشتے کا اہتمام ہوتا تھا۔ حالانکہ صدر کلام اور راشٹر پتی بھون کے افسروں کو اس ضمن میں ہفتوں پہلے سے

پاور پوائنٹ پرزینٹشنس، چارٹس اور دیگر دستاویزات تیار کرنا پڑتے تھے۔ ہر ریاست کے لیے پاور پوائنٹ پرزینٹیشن بناتے وقت مندرجہ ذیل چار باتوں پر زور دیا جاتا تھا۔

1۔ ہندوستان کی ترقی کے لیے وژن

2۔ ریاست کی وراثت

3۔ ریاست کی بنیادی قابلیت

4۔ ہر ایک ریاست کے ترقیاتی کاموں کے نتیجہ اشارے۔

مجھے یاد ہے کہ اس سلسلے کی پہلی میٹنگ ریاستِ بہار کے اراکینِ پارلیمنٹ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کے پُرجوش انداز سے صدر کلام بڑے متاثر ہوئے اور میٹنگ کے لیے مختص کیے گئے 60 منٹ کے دقفے کو بڑھا کر 90 منٹ کر دیا گیا تھا۔

یہ ایک قابل قدر تجربہ تھا کیونکہ بریک فاسٹ میٹنگ کے ختم ہو جانے کے بعد بھی اور سوال جواب پر مبنی سارے سیشن پورے ہو جانے کے بعد بھی کئی اراکینِ پارلیمنٹ اپنی ریاست سے متعلق اس بصری پیشکش میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے رہے۔ ''اراکینِ پارلیمان کے ساتھ صدر جمہوریہ کی بریک فاسٹ میٹنگ'' کے زیرِ عنوان ایک ڈرافٹ جاری کیا گیا تھا۔

- ذاتی طور پر وہ اس میٹنگ کے ہر لمحے سے محظوظ ہوئے تھے۔ پیشکش کے نکات کی اراکین کی زمینی حقائق پر مبنی معلومات سے مزید توضیح وتشریح ہوئی۔ کافی اراکین نے ان سے یہ بھی کہا کہ یہ دستاویزی اہمیت کی حامل مبسوط پیشکش ان کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ درحقیقت ان میں اور پارلیمانی اراکین کے درمیان ان تفصیلات اور مباحث کے باعث، کئی پہلوؤں سے ابلاغ کے ایسے رشتے استوار ہو گئے جو ان کے پورے دورِ صدارت میں قائم رہے۔ وژن 2020 کے باعث، جو کہ کئی ماہرین کی معلومات ومطالعات کی مدد سے تیار کیا گیا تھا، صدر کلام نے معاشرتی تبدیلیوں کو اپنی توجہ کا محور بنایا۔ انھیں بریک فاسٹ میٹنگ میں ہونے والے مباحث سے ترقی کی راہ پر مزید آگے بڑھنے کے خیالات ملتے تھے۔ اس وژن کے بارے میں پارلیمنٹ میں کم از کم دس بار انھوں نے تقریر کی تھی اور چودہ بار ریاستی اسمبلیوں کو خطاب کیا تھا، کہ کیسے ریاستوں میں خوشحالی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بریک فاسٹ میٹنگوں میں جس نوعیت کے سوالات اور مشورے انھیں ملتے

تھے،اس سے ریاست کی ترقی کے تمام ممکنہ مطالبات کو یکجا کرنے کا راستہ ہموار ہو جاتا تھا۔مثلاً گزرگاہیں، روزگار پیدا کرنے کے مواقع ،صحت کے سرکاری مراکز کو فعال بنانا، دیہی علاقوں میں مواصلاتی نظام اور ذرائع آمدورفت کو بہتر بنانا اور تعلیمی نظام میں بہتر سہولیات دستیاب کرنا۔اس ضمن میں کمپیوٹر میں ترتیب دی ہوئی معلومات کا ڈیٹا ہیں، انڈیا2020 وژن کے نصب العین کو کیسے عملی جامہ پہنایا جائے ،اس مقصد کے لیے اور قومی اور ریاستی چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری، مینجمنٹ ایسوسی ایشنوں، تکنیکی اداروں اور یونیورسٹیوں میں اپنے خطابات کے لیے بھی ایک حوالہ جاتی وسیلہ بن گیا تھا۔

انھیں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو مشترکہ طور پر خطاب کرنے کے دس بار سے زیادہ موقعے ملے۔تحریکِ آزادی کے 150 ویں سالانہ جشن منانے سے متعلق ایک یادگار تقریب منعقد کی گئی۔انھوں نے اپنے خطاب میں اراکینِ پارلیمنٹ کی اپنے حلقۂ انتخاب کے تئیں،اپنی ریاست کے تئیں اور اپنے ملک کے تئیں ذمّے داری نبھانے کا پیغام دیا۔انھوں نے فرمایا:

''اصلی آزادی اور خودمختاری کے لیے ہماری جدوجہد اب بھی نامکمل ہے۔ہماری کہانی ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔عالمی ماحول،حالانکہ،اب بھی خطرناک بنا ہوا ہے اور ہندوستان کی آزادی کی حفاظت، جو کہ اذیتوں اور قربانیوں سے حاصل ہوئی ہے،ہمیں چوکنا رہ کر کرنا پڑے گی، اسے مضبوط بنانا ہوگا اور اسے وسعت عطا کرنا ہوگی۔آزادی اور استقلال کے لئے ہمیں مسلسل جدوجستجو کرتے رہنا ہوگا اور اس انداز میں کہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے حوصلہ مندی اور تیز روی کے ساتھ ترقی کے ذریعہ ہمیں اپنی ارتقائی منازل کو عبور کرنا ہوگا۔جدوجہدِ آزادی کی 150 ویں سالگرہ مناتے وقت کیا ہم ان حقائق پر غور وفکر کر سکتے ہیں؟ پارلیمنٹ اور لجسلیٹو اسمبلیوں کے لیے اب وہ وقت آچکا ہے کہ جب نہ صرف اپنے ملک کو ہمیں روشن خیال،متحد،ہم آہنگ اور آسودہ وخوشحال بنانا ہے بلکہ سرحدوں پر حملوں اور دراندازیوں سے بھی ہمیشہ کے لیے پاک اور محفوظ مقام بنانا ہے۔یہ ایک نئے وژن اور نئی قیادت ہی سے عملی طور پر ممکن ہے۔

ایک مضبوط اور خوشحال ہندوستان کی مخصوص تصویر تیار کرنے اور اس کے خط وخال نمایاں کرنے کے لیے قومی قیادت جس کا میں نے تذکرہ کیا تھا تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب ہماری

پارلیمنٹ اور لجسلیٹو اسمبلیوں سے مربوط شائستہ اور موثر سربراہی عالم وجود میں آئے۔"

انھوں نے مختلف میٹنگوں میں اراکینِ پارلیمنٹ سے کہا کہ وہ ایسی صورتِ حال کو عملی جامہ پہنتے دیکھنا چاہتے ہیں جس میں سیاسی جماعتیں، ترقیاتی سیاست کے ماحول میں کام کریں اور الیکشن لڑیں۔ ملک اور اس کے عوام کی ترقی کے اپنے اپنے سیاسی وژن کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے سے مقابلہ آرا ہوں۔ 21 مارچ 2005 کو پارلیمنٹ کے سینٹرل ہال میں ڈاکٹر کلام کا خطاب مجھے یاد آتا ہے جس میں انھوں نے بہت اچھے ماہرِ پارلیمانی اُمور اراکین کو ایوارڈز سے نوازتے وقت اپنے خیالات وافکار کا اظہار کیا تھا۔ پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس کے موقعے پر ہر سال اور بجٹ اجلاس کی شروعات میں صدر کا خطاب سرکار کی حکمتِ عملی پر مبنی، ایک بیانیہ ہوتا ہے۔ اس لیے صدر اس میں اپنی رائے اور ہدایات شامل نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ سرکار کا تیار کردہ مسودہ ہوتا ہے اور اسے کابینہ کے ذریعہ منظوری ملتی ہے۔ البتہ، بہترین اراکینِ پارلیمنٹ کے ایوارڈز کے موقعے پر پیش کیے جانے والے خطاب میں انہیں اراکینِ پارلیمنٹ کے سامنے اپنے خیالات وافکار کے اظہار کا بڑا نادر موقع ملتا تھا۔

اپنی تقریر میں انھوں نے اراکینِ پارلیمنٹ کو ایک ایسے مثبت اور تعمیری رویہ کو اختیار کرنے پر زور دیا جو ذاتی اغراض و مقاصد، تنگ نظری اور علاقائیت کے عیوب سے پاک ہو اور ملک کی چوطرفہ ترقی کے لیے کام کرنے کی تلقین بھی کی۔ انھوں نے صاف طور سے سیاسی جماعتوں کو درپیش "اضافی تعداد شماری کی مجبوری" کا ذکر کیا کہ جس کے باعث مجلسِ قانون ساز کی نشستوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور نتیجتاً ہارس ٹریڈنگ کے لیے سازگار ماحول پیدا ہوتا ہے۔ انھوں نے 'سیاسی لوٹ کھسوٹ' کو ترک کرنے کی بڑی جذباتی اپیل کی اور اراکین سے سنجیدگی کے ساتھ اس بات کا تجزیہ کرنے کو کہا کہ ہمارے آئین کے معماروں نے بڑی جانفشانی اور بڑی رجائیت سے ان امیدوں کے ساتھ آگے بڑھنے کو کہا تھا تا کہ ہندوستان اپنے آپ کو بنائے رکھے اور ایک پختہ، متحرک، جمہوری ملک کی حیثیت سے ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ ان کا یہ خطاب میڈیا میں اور خصوصاً عام آدمیوں میں بہت پسند کیا گیا۔

وہ اراکینِ پارلیمنٹ سے کہا کرتے تھے کہ ایک اچھا قائد بننے کے لیے قائدانہ اوصاف

بھی پیدا کرنا ضروری ہیں۔ڈاکٹر کلام کے مطابق لیڈر میں ایک وژن کا ہونا ضروری ہے۔اس میں، ناقابلِ تسخیر راہوں پر سفر کرنے کی قابلیت ہونا چاہیے۔اسے کامیابیوں اور ناکامیوں کے درمیان گزرنا پڑتا ہےاوراس میں فیصلے لینے کی جسارت ہونا چاہیے۔لیڈر کولوگوں کے تئیں جواب دہ ہونا چاہیےاوراسے ثابت قدمی کے ساتھ کام کرنا آنا چاہیے۔

بچوں سے محبت: طالب علموں کے لئے ایک مثالی شخصیت

پڑھنے سے تمہاری تخلیقی صلاحیت بیدار ہوتی ہے
تخلیقی صلاحیت سے افکار پیدا ہوتے ہیں
افکار سے تمہیں علم ملتا ہے
علم تمہیں عظیم بناتا ہے

یہی وہ منتر تھا جو ڈاکٹر کلام نے ان لاکھوں طالب علموں کو دیا، جنھوں نے ان سے ملاقات کی۔ جب وہ ہندوستان کے صدر بن گئے تو انھوں نے اپنے لیے ایک نصب العین قائم کرلیا کہ وہ ملک بھر میں اپنی مدتِ کار کے دوران پانچ لاکھ طلبا سے ملاقات و مباحثہ کریں گے۔ انھوں نے ہم سب سے اس پُر عزم مقصد کے حصول میں معاونت کے لیے کہا۔ خدا کے فضل اور ان کی حوصلہ مندی کے باعث وہ اس نصب العین کو شرمندۂ تعبیر کر سکے۔ وہ خالص ایک میزائل مین تھے، جن کے خطبات میں ہمیشہ ہال کھچا کھچ بھرے رہتے تھے۔ بچے ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ کیونکہ وہ انھیں آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں کرتے تھے۔ جب وہ کسی ریاست کے دورے پر جاتے تھے تو ہم وہاں کے چیف سکریٹری اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اسکولی بچوں کے ساتھ ایک ایسی نشست کے اہتمام کی تاکید کر دیتے تھے جس میں کم از کم ایک ہزار بچے شریک ہوں۔ عموماً

ہزاروں کی تعداد میں بچے پروگرام میں پہنچ جایا کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ تمیں سے پینتالیس منٹ تک کلام کرتے تھے اور اس کے بعد مباحثہ شروع ہو جاتا تھا۔ وہ کسی بھی موضوع پر ان سے سوال پوچھنے کے لیے کہتے، چاہے وہ سائنس ہو، سیاست ہو، ریاضی ہو، بین الاقوامی تعلقات ہوں، غربت کے مسائل ہوں، بیروزگاری ہو، برین ڈرین کا تصور (دانش مندی کی بیرونِ ملک منتقلی کا تصور)۔ وہ بچوں سے ان کے مستقبل اور زندگی کے مقاصد سے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، خصوصاً جب وہ اسکول سے پاس ہو کر کالج جوائن کرنے والی سطح کے طلباً ہوتے تھے۔ عام طور پر جواب (1) ڈاکٹر، (2) انجینیئر، (3) سول سروینٹ ہوتا تھا۔ وہ اس بات سے مایوس ہو جاتے تھے جب کوئی بھی ٹیچر بننے کا نہیں کہتا تھا۔ وہ ہمیشہ طلباً کو ٹیچر بننے کے لیے کہا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ پوچھا کرتے تھے کہ تم میں سے کتنے لوگ ہو جو سیاست داں بننا چاہتے ہو۔ ایک دو لڑکے کہتے کہ ہم سیاست داں بننا چاہتے ہیں۔ تب ڈاکٹر کلام کہتے کہ ''ٹھیک ہے لیکن اچھے سیاست داں بننا جو ملک کی ترقی کے لیے کوشاں رہے اور ترقیاتی سیاست اختیار کرے۔''

وہ طلبا کو کہا کرتے تھے: ''یاد رکھو جب بھی تم اچھے کام کرتے ہو تو فرشتے کی جیت ہوتی ہے اور جب بھی تم برے کام کرتے ہو تو شیطان کی جیت ہوتی ہے۔ جہالت سے شیطان آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ اسے قوی بناتی ہے۔ علم تمھیں ایک بہتر آدمی بناتا ہے اور تم سماج کے لیے تعمیری کردار ادا کر سکتے ہو۔''

ہم نے ''علمی کارڈس'' چھپوائے تھے۔ ایسے کارڈس جن میں ان کی تصویر اور ان کے علمی منتر شامل تھے، جن پر ان کے دستخط بھی ہوتے تھے اور جنھیں بچوں میں یادگار کے طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایسے کارڈس بنوانے کا آئیڈیا میرا تھا، جس کی کچھ افسروں نے اس بنیاد پر مخالفت کی تھی کہ ان کے دستخط اور فوٹو کو کچھ لوگ کہیں ذاتی مفاد میں غلط استعمال نہ کر لیں۔ انھوں نے اس اعتراض کو خارج کر دیا اور ان کی مدتِ کار میں ہم نے ایسے لاکھوں کارڈس چھپوائے اور بچوں میں فراخ دلی کے ساتھ تقسیم کیے یہ کارڈس بچوں کے درمیان بہت دلچسپی کی چیز ہوتے تھے۔

بچوں کے ساتھ ان کا سوال جواب کا سیشن ہمیشہ معلوماتی اور دلچسپ ہوتا تھا۔ ایک بار مہاراشٹر میں امراوتی میں ایک لاکھ بچوں کے جلسے میں انھوں نے شرکت کی تھی۔ وہاں انھوں نے

''میں منفرد ہوں۔'' عنوان کے تحت تقریر کی۔

جب انھوں نے بچوں سے جمہوریت کے بارے میں پوچھا تو 99 فیصد بچوں نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور کہنے لگے کہ وہ سب جمہوریت چاہتے ہیں لیکن اسے تیز رفتار ترقی کے ساتھ از سرِ نو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر کلام نے کہا کہ تاریخ شاہد ہے کہ بہت سی تہذیبیں جمہوریت اور وژن کے فقدان کے سبب فنا ہو گئیں۔ ہندوستان کو اپنے تمام تر منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے تخلیقی قیادت کی ضرورت ہے۔ ''ہم ایک جمہوری ملک بنے رہنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہمارے سیاسی طبقے کا یہ ایک غیر معمولی کارنامہ ہے'' انھوں نے کہا۔

بچے ان سے بہت ہی دلچسپ سوالات کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ڈاکٹر کلام بچوں اور سامعین کی توجہ برقرار رکھنے کے لیے، بڑے ہی مزاحیہ انداز میں جواب دیا کرتے تھے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

سوال: بڑھتی آبادی کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟ بہت زیادہ آبادی معاشی ترقی پر قدغن لگاتی ہے۔

جواب: دیکھو، میں قصوروار نہیں ہوں۔ میں نے آبادی میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ (اس پر چاروں طرف قہقہہ لگا۔ وہ آندھرا پردیش میں شری ہری کوٹا کے طلبا سے پی ایس ایل وی کے لانچ کی تیاریوں پر نظرِ ثانی کے بعد خطاب کر رہے تھے۔) کسی بھی قوم کے لیے انسانی وسیلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ضروری ہے کہ ایسا وسیلہ تعمیری نوعیت کا ہو اور ملک کی نمو میں اپنا کردار نبھانے کا اہل ہو۔ ہمارا ملک ایک نوجوان ملک ہے جہاں 65 فیصد آبادی پینتیس سال سے کم عمر کے لوگوں کی ہے۔ ہمیں اس کثیر، جواں سال آبادی کو، سرکاری پروگراموں کے ذریعہ، ترقیاتی کاموں کے لیے مرکز اور ریاست دونوں سطحوں پر استعمال کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے تعلیمی پروگراموں کو نوجوانوں کے لیے اسکولی سطح ہی سے مہارت کے فروغ کی تربیت کی خاطر نئے سرے سے تشکیل دینا ہوگا۔ ساتھ ہی، ہمیں روزگار کو فروغ دینے کی اہلیت میں بھی اضافہ کرنا چاہیے۔

سوال: آپ دونوں غیر شادی شدہ ہیں۔ آپ اور وزیرِ اعظم (اس وقت شری واجپئی وزیرِ

اعظم تھے)۔ آپ کو کیسا محسوس ہوتا ہے؟ (یہ سوال ہریانہ کے ایک اسکول میں پوچھا گیا تھا)

جواب: دیکھو! میں ایک برہمچاری بھی ہوں۔ ہم دونوں کے پاس لوگوں کی خاطر کام کرنے کے لیے کافی زیادہ وقت ہوتا ہے۔

سوال: آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟

جواب: مجھے وقت ہی نہیں ملا کیونکہ میں اپنے سائنسی کاموں میں مصروف تھا۔ بھائیوں اور بہنوں والا میرا ایک بڑا خاندان ہے اور میں ان سب کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ پورا ملک ہی میرا خاندان ہے۔

سوال: آپ لمبے بال کیوں رکھتے ہیں؟

جواب: یہ اپنے آپ ہی بڑھ جاتے ہیں۔ مجھے انہیں کٹوانے کا وقت ہی نہیں ملتا۔

سوال: آپ کی زندگی میں کون آپ کے لیے باعثِ ترغیب رہا ہے؟

جواب: میرے والد جناب اے پی جے جین العابدین (شاید صحیح لفظ زین العابدین رہا ہو) میری والدہ آشیہ لماں اور میرے پرائمری اسکول ٹیچر شری سیوا سبرامنیم ایر۔

سوال: کیا زندگی میں آپ کا کوئی رول ماڈل رہا ہے؟

جواب: جی ہاں، ڈاکٹر وکرم سارا بھائی، جو ہندوستان کے خلائی پروگرام کے موجدِ اعلیٰ اور ایک وژنری تھے، پروفیسر ستیش دھون سابق اسرو چیف، ایک پُرعزم اور بامقصد شخصیت کے مالک اور ڈاکٹر برہم پرکاش ایک جلیل القدر رہنما۔

سوال: آپ کس نوعیت کی موسیقی پسند فرماتے ہیں؟

جواب: کرناٹکی اور ہندوستانی کلاسیکی خصوصاً آلاتِ موسیقی پر مبنی۔

سوال: کیا آپ کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ کی پسندیدہ کتابیں کون کون سی ہیں؟

جواب: کتابیں ہمیشہ میری دیرینہ ساتھی رہی ہیں۔ یہ شروع ہی سے میری زندگی کا حصہ ہیں، ایک ٹھوس اور محسوس کردہ حقیقت کے روپ میں۔ کتابوں کی دنیا سے میرا تعارف اور پڑھنے سے میرا رشتہ میرے ایک عزیز احمد جلال الدین کے توسط سے قائم جو میرے بہنوئی اور سرپرست بھی تھے۔ اس وقت میری عمر دس برس کی تھی۔ جتنا میں بڑا ہوتا گیا، میں نے اور زیادہ خوشی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میری پسندیدہ کتابوں میں سے چند یہ ہیں: "لائٹ فرام مینی لیمپس"

نئی دہلی کے باہر اپنے ایک دورے کے دوران، ڈاکٹر کلام انڈین ایئر فورس کے ہیلی کاپٹر سے اترتے ہوئے۔

صدر کلام ریاست جموں و کشمیر میں اپنے ایک دورے کے دوران عوام کے ساتھ۔

صدر کلام جھارکھنڈ میں سرائے کیلا گاؤں میں روایتی ہیٹ پہنے ہوئے۔

صدر کلام ایک لوک فنکار کے ساتھ ڈرم پر طبع آزمائی کرتے ہوئے۔

صدر کلام ''بچوں کے گھر'' سے آئے ہوئے بچوں کے ساتھ راشٹر پتی بھون میں گفتگو کرتے ہوئے۔ مصنف بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

ڈاکٹر کلام جسمانی طور پر معذور لڑکی کے ساتھ۔

16 ستمبر 2004 کو صدر ڈاکٹر کلام محترمی نیلسن منڈیلا کی رہائش گاہ پر (جوہانس برگ، جنوبی افریقہ)

جین مت کے شویتامبر تیراپنتھ فرقے کے دسویں گرو آچاریہ مہاپرگیہ کے ساتھ صدر محترم ڈاکٹر کلام۔

صدرِ محترم ڈاکٹر کلام، سوئٹزرلینڈ کے صدر جناب سیموئیل شومد کی انٹرلیکن مقام پر تصویر لیتے ہوئے۔

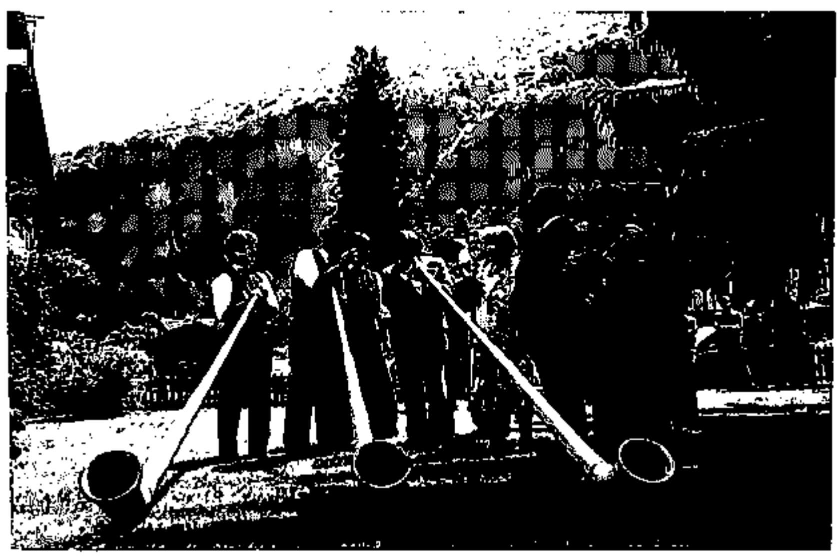

صدر ڈاکٹر کلام ایلفورن نامی لکڑی کا قدرتی باجہ نما شنکھ پھونکتے ہوئے جو سوئٹزرلینڈ میں پہاڑوں پر رہنے والے لوگوں کا پسندیدہ روایتی آلۂ موسیقی ہے۔

مدھیہ پردیش میں چترکوٹ کے پٹنی گاؤں میں ایک تقریب میں شرکت کے بعد کھانا کھاتے ہوئے۔

26 نومبر 2004 کو راشٹرپتی بھون میں صدر ڈاکٹر کلام گربانی کی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے۔

صدر کلام معروف کارٹونسٹ شری آر کے لکشمن کے ساتھ، ان کے کارٹونوں کی نمائش کے افتتاح کے بعد۔
مصنف بھی اس تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

بچوں کے ساتھ خوش گوار لمحات۔

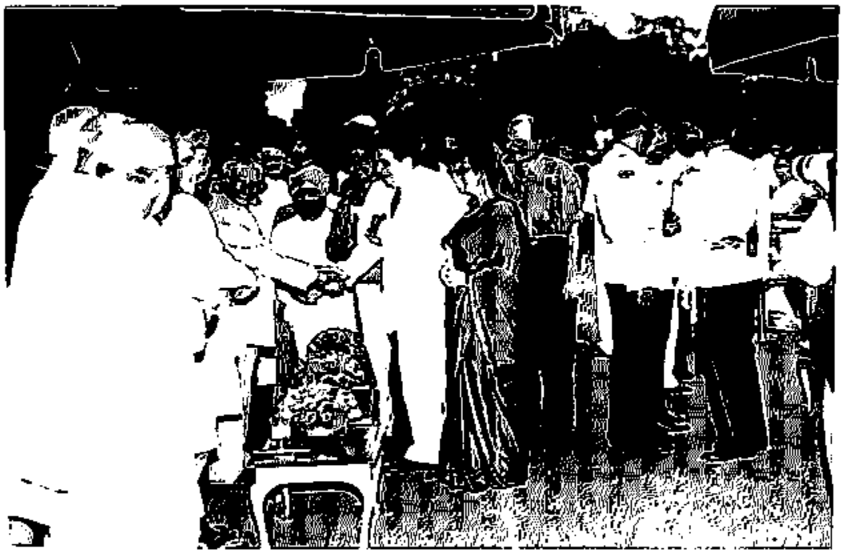

راشٹرپتی بھون میں یومِ جمہوریہ کی تقریب میں شہرۂ آفاق اداکار یوسف خان (دلیپ کمار) صدر کلام کا استقبال کرتے ہوئے۔ دلیپ کمار کی اہلیہ معروف اداکارہ محترمہ سائرہ بانو بھی ان کے ساتھ تصویر میں دکھائی دے رہی ہیں۔

صدر کلام پرمکھ سوامی مہاراج کے ساتھ، جو سوامی نارائن طبقے کے پانچویں روحانی پیشوا تھے۔ ڈاکٹر کلام نے ''ٹرانسینڈینس۔ مائی اسپریچوئل ایکسپی رینسس ود پرمکھ سوامی جی'' نامی ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ پرمکھ سوامی جی 14 اگست 2006 کو رحلت فرما گئے۔

(بہت سی شمعوں کی روشنی) مرتب للین واٹسن؛ ''مین دی اَن نون'' (نا معلوم آدمی) مصنف الیکسس کاریل؛ ''پیراڈائس لاسٹ'' (فردوسِ گمشدہ) مصنف جان ملٹن، ''سیکریٹ دی پاور'' (قوتِ راز) مصنف رھونڈا بایرن اور ''گیتا نجلی'' مصنف رویندر ناتھ ٹیگور۔ تمھیں اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈال لینا چاہیے۔ پڑھنے کا عمل ذہن کی افزائش لئے ضروری ہے جس طرح اچھی غذا جسم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ پڑھنے کی عادت ہماری قوتِ برداشت میں اضافہ کرتی ہے، یہ ہمیں لذت دیتی ہے، یہ ہماری سوچ میں وسعت پیدا کرتی ہے اور بڑھنے میں مدد کرتی ہے۔

طلبا کی باتوں پر اپنا ردِّعمل دیتے وقت، ان کے جوابات میں ایک خاص قسم کا بے ساختہ مزاح کا عنصر جھلکتا تھا۔ انھوں نے کبھی کسی سوال کے تئیں فراریت کا رویہ روا نہیں رکھا۔

چند دیگر سوالات، جو طلبا ان سے مستقل طور پر پوچھا کرتے تھے، وہ یہ تھے:

سوال: کیا آپ 'برین ڈرین' کے حق میں ہیں؟ اس بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟

جواب: 'برین ڈرین' ایسی کوئی شئے نہیں ہے۔ ہم ''وسودھیو کٹمب کم'' (پوری دنیا ایک خاندان ہے) کے چار ہزار سال پرانے فلسفے میں یقین رکھنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں سائینٹیفک اور ٹیکنیکل مین پاور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں سے اگر کچھ لوگ بیرونِ ملک جاتے ہیں اور اپنے خاندانوں اور ملک کو خوشحال بنانے کی سعی کرتے ہیں تو اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں ہے۔ وہاں جا کر وہ اپنے علم میں اضافہ بھی کرتے ہیں اور بیرونِ ملک میں کام کر کے، مختلف طریقوں سے مادرِ وطن کی خدمت میں اپنا تعاون بھی دیتے ہیں۔ پھر بھی یہ ضروری ہے کہ وہ مسلسل اپنی جڑوں سے رابطہ بنائے رکھیں۔

سوال: کلوننگ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میں کلوننگ کے خلاف ہوں۔ صرف پروردگار ہی کسی ذی روح شئے کو تخلیق کر سکتا ہے۔ چاہے وہ انسان ہو یا کوئی دوسری جاندار مخلوق۔ پھر بھی، طبی نقطۂ نظر سے اعضاء کی پیوندکاری ایک سائنسی عمل ہے اور جب بھی ضرورت پڑے اس عمل سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے۔

سوال: آپ سائنسداں ہیں لیکن آپ روحانیت کی بات کرتے ہیں اور دھرم گروؤں سے

ملاقات کرتے ہیں۔ کیا یہ متضاد بات نہیں ہے؟

جواب: سائنسداں اور روحانی پیشوا ایک ہی چیز تو کرتے ہیں۔ یعنی کہ سچ کی جستجو اور سماجیاتی بدلاؤ۔ ان میں سے ایک تکنالوجی کے بوتے پر ایسا کرتا ہے اور دوسرا عبادت و ریاضت کے توسط سے۔ اس میں کوئی متضاد بات نہیں۔ سائنس بھی تلاشِ حق کا دوسرا نام ہے۔ ماہرِ فلکیات اور معروف مصنف کارل سیگان نے کہا تھا: سائنس روحانیت کے ساتھ نہ صرف ہم آہنگ ہے بلکہ یہ روحانیت کے حصول کا ایک موثر ذریعہ بھی ہے۔ میں دھرم گروؤں سے ملاقات کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ اپنے معتقدین میں اپنا اثر و رسوخ رکھتے ہیں اور میں ان سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیغام کو عام کرنے کی اور مختلف مذاہب کے درمیان ربط سازی کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

سوال: آپ نے عہدۂ صدارت کو کیوں قبول کرلیا؟ جبکہ آپ بطور سائنسداں کئی اہم کام کررہے تھے۔

جواب: میں نے یہ عہدہ قبول کیا تھا کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ اس طور میرا ''انڈیا 2020 وژن'' کا مشن مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی مدد سے زیادہ موثر انداز سے نافذ ہو سکے گا۔ بحیثیت صدرِ عوام، پارلیمنٹ اور سیاسی نظام کے سامنے میں اس مشن پر زیادہ زور دینے کی پوزیشن میں رہوں گا۔

سوال: ہم افلاس سے کیسے لڑ سکتے ہیں؟

جواب: ہم افلاس سے تعلیم، سخت محنت اور شروع ہی سے ایک واضح نصب العین کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ سماجیاتی بدلاؤ کے لیے سائنس اور تکنالوجی کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور جس کے توسط سے غریبی کو دور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ دیہی علاقوں میں تبدیلی لاکر اور وہاں روزگار کے مواقع فراہم کرکے انڈیا وژن 2020 خطِ افلاس سے نیچے رہنے والے لوگوں کی مدد کریگا۔ میرا تشکیل کردہ پروگرام ''پورا'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ''پورا'' کا فل فارم ''پرووائیڈنگ اربن اپورچونیٹیز ان رُورل ایریاز'' ہے جس کے معنی ہیں دیہی علاقوں میں شہری مواقع فراہم کرنا۔ کسی علاقے کے گاؤں کے گروہوں کو معاشی لحاظ سے مضبوط اور خود کفیل بنانے کے ضمن میں طبیعاتی ربط سازی، برقیاتی ربط سازی اور علمی ربط سازی کے توسط سے ''پورا'' پروگرام معاشی ربط سازی کے

قیام پر غور و فکر کرتا ہے۔

سوال: ہم فرقہ واریت سے کیسے لڑ سکتے ہیں؟

جواب: مذہبوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ہم فرقہ واریت سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے ملک میں دنیا کے چھ بڑے مذاہب موجود ہیں، مگر ہمیں ان کے درمیان اچھی ربط سازی قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے فرقہ واریت کی شکست ہوگی۔ ہمیں متحد ہو کر، آپس میں لڑنے کے بجائے، غریبی سے جنگ لڑنا ہے۔ ہر ایک کو دوسرے کے خیالات کو برداشت کرنا چاہیے۔ ہمارے شہریوں کے درمیان بین العقیدگی پر مبنی مکالے کو بڑھاوا دینا ہوگا، تا کہ ذہنوں میں اتحاد پیدا ہو سکے۔ رامیسورم میں، اپنے بچپن کی یادوں میں سب سے زیادہ نا قابل فراموش بات جو مجھے اب تک یاد ہے وہ دو افراد کے درمیان کی گفتگو ہے جو روایتی کپڑے پہنے ہوئے تھے، ان میں سے ایک میرے والد جناب اوّل پا کر جین العابدین (شاید نام کی اصل اوّل فاخر زین العابدین ہو) تھے جو محلے کی ایک مسجد کے امام بھی تھے اور دوسرے شخص شری پکشی لکشمن شاستری گل تھے جو رامیسورم مندر کے بڑے پجاری تھے۔ دونوں روحانیت کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہ لوگوں سے دونوں مذہبوں کی روحانیت کے پیچیدہ اسرار و رموز سے متعلق آسان تمل زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ہمیں اسی قسم کے بین العقیدگی پر مبنی مکالے اور فرقہ واریت سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنے مذہبی رہنماؤں کے درمیان ایسی ہی آپسی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سیکولرازم ہندوستان کے قومی مزاج میں رچا بسا ہوا ہے اور اسے ہر حال میں ہمیں فروغ دینا چاہیے۔

سوال: ہندوستانی تہذیب کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟

جواب: ایک حساس و روشن قلب اور ایک متحمل ذہنیت۔ حقیقی معنوں میں ہندوستان تکثیریت اور رواداری پر مبنی ایک پائیدار ملک ہے۔

سوال: ہندوستان کو اپنے پڑوسی ممالک جیسے چین اور پاکستان سے ملنے والی دھمکیوں سے کس طرح نپٹنا چاہیے؟

جواب: صرف طاقت ہی طاقت کا احترام کرتی ہے۔ ہمیں طاقتور بننا ہوگا تا کہ ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کی ہمت نہ کر سکے۔ اگر چہ ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم چاہتے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اپنی خودمختاری کی حفاظت اور سرحد پار کی دہشت گردی سے بچنا ہوگا۔ ہمیں اپنے تمام پڑوسیوں کے ساتھ خوش گوار رشتے برقرار رکھنا ہوں گے اور ساتھ ہی ہمیں سارک کے لائحۂ عمل کو مضبوطی دینے کے لیے کام کرنا چاہیے۔

سوال: ہمیں دہشت گردی سے کیسے نپٹنا چاہیے؟

جواب: دہشت گردی ایک لعنت ہے۔اور اس سے سختی سے اور موثر انداز میں نپٹنا چاہیے۔ پوری دنیا کو متحد ہو کر اس بدی سے مقابلہ آرا ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے ایک ہمہ رخی رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے نوجوان دہشت گردی کی طرف مائل نہ ہوں۔ ہمیں روشن ذہن انسانوں کی بالیدگی کرنا ہوگی جو سماج کے لیے اپنا ایک مثبت کردار نبھا سکیں۔ بیروزگاری کے مسائل، سیاسی و سماجی مسائل اور خطہ جاتی تنازعات، کو اولیت کے ساتھ حل کرنا چاہیے، تاکہ یہ مسائل کسی کو دہشت گردی کی طرف گامزن نہ کر سکیں۔ دہشت گردی سے منسلک مذہبی عدم رواداری کو مذہبوں کی روحانی قناعت پسندی اور صبر و شکر کی تعلیمات کو فروغ دے کر اور مذہبوں کو ایک دوسرے سے قریب لاکر حل کرنا چاہیے۔

سوال: کیا آپ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے کنفیڈریشن (وفاقیہ) کے حق میں ہیں؟

جواب: میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کو، اپنی خودمختاری اور سرحدی سالمیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک فیڈریشن بنانے کے لیے ایک دوسرے کے قریب آجانا چاہیے۔ اس خطے کی عوام کے لیے یہ امر ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوگا اور افلاس کو دور کرنے کے لیے اس سے بڑی مدد ملے گی۔ ہم یوروپین یونین کی طرز پر ایک ایسے ماڈل کی تشکیل پر کام کر سکتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے قبل جملہ عالمی تجارتی معیشت میں اس خطے کی حصہ داری 40 فیصد سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔ ترقی یافتہ دنیا کے لیے یہاں کی سڑکیں اور منڈیوں کا نظامِ عمل قابلِ رشک تھا۔

سوال: ہم ذات پات کا نظام اور چھوت چھات کے مسائل ختم کرنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟

جواب: چھوت چھات ہندوستان کے آئین کے ذریعہ ختم کی جا چکی ہے اور کسی بھی شکل

میں اسے اپنانا ممنوع ہے۔ اس سے نپٹنے کے لیے بڑے سخت قوانین بنے ہوئے ہیں۔ جہاں تک ذات پات کے نظام کا تعلق ہے، ملک بھر میں چھ ہزار ذاتیں اور ذیلی ذاتیں ہیں۔ جو بھی اپنی بڑی مضبوط تاریخی و تہذیبی اساس رکھتی ہیں۔ ہمیں کاسٹ سسٹم کو ختم کرنے کے لیے بڑی سخت محنت کرنا ہوگی اور ذات پات سے آزاد سماج کی تعمیر و تشکیل کو یقینی بنانا ہوگا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم رواداری پر مبنی ایسے شہری بنانے کے لیے عمل پیرا ہوں جن کے اذہان میں ہم آہنگی ہو۔ ہم سب میں یہ جذبہ بیدار ہو کہ ملک کسی بھی فرد سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔

سوال: کیا کبھی وہ وقت آئے گا، جب ہندوستان ایک سپر پاور بن سکے گا؟

جواب: ہندوستان ایک سپر پاور بنے یہ میں نہیں سوچتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان ایک ترقی یافتہ ملک بن جائے اور 2020 تک یہ ایک علمی سپر پاور بن جائے۔ ہندوستان کے پاس 2020 تک ترقی یافتہ ملک بننے کا ایک وژن موجود ہے۔ یہ بات ممکن ہوسکتی ہے اگر ہم ایک دہے تک لگاتار نو فیصدی سے بڑھ کر جی ڈی پی کی شرح نمو حاصل کرلیں اور ساتھ ہی خطِ افلاس سے نیچے گزر بسر کررہی اپنی بائیس فیصد آبادی کو اُوپر اٹھانے کے لیے کمر بستہ ہوجائیں۔ اس وژن کو عملی جامہ پہنانے میں ٹکنالوجی اپنا کلیدی کردار ادا کرسکتی ہے۔

میں ایک ایسا ملک چاہتا ہوں جہاں خطِ افلاس کے نیچے کوئی بھی شخص نہ رہے اور ملک کے ہر شہری کے لیے چوطرفہ خوشحالی کو یقینی بنایا جائے۔ ایک ایسا ملک جہاں دیہی و شہری خلیج بالکل مٹ جائے اور تمام شہریوں کو احترام کے ساتھ برابر کے مواقع فراہم ہوں۔

سوال: ندیوں کی باہم ربط کاری کے ضمن میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

جواب: میرے خیال میں ندیوں کی باہم ربط کاری مسلسل برپا ہونے والی باڑھ اور قحط سالی کے مسائل کو حل کرنے میں مدد و معاون ہوگی۔ ملک کے تمام طول و عرض میں ہمارے یہاں ندیاں موجود ہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ ملک کے ایک حصے میں باڑھ آتی ہے تو دوسرے حصے میں قحط سالی۔ یہ مسئلہ بڑی حد تک حل کیا جاسکتا ہے اگر ہم ندیوں کی باہمی ربط کاری کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ یہ ایک بہت بڑا پروگرام ہے اور اس پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ماہرین کے ذریعہ گہرے مطالعے کی ضرورت پڑے گی۔ اس پر عمل آوری کے لیے ایک خطیر رقم کی اور بڑے پیمانے پر لوگوں کی نقلِ

مکانی کی بھی ضرورت پیش آئے گی، جو کہ ایک بڑا جذبات انگیز مسلہ ہوتا ہے۔ حکومت نے اس منصوبے پر غور وخوض کرنے کے لیے ایک مہماتی قوت (ٹاسک فورس) کی تشکیل کی ہے۔ اس ضمن میں، بہت سے متضاد اور مختلف نظریات موجود ہیں جن پر بحث ومباحثے کی ضرورت ہے۔ ندیوں کی ربط سازی کے منصوبے سے جنگلاتی خطوں میں بیس فیصد تک اضافے کا نصب العین بھی حاصل کیا جانا چاہیے۔

سوال: ایک ٹیچر میں کیا کیا صفات ہونا چاہیے؟

جواب: ایک اچھا ٹیچر وہ ہوتا ہے جس کی طلبا ہمیشہ تعریف کرتے ہیں۔ پڑھانا بڑا سخت جان کام ہوتا ہے اور ایک ٹیچر اچھی نصابی تعلیم بہم پہنچانے کے علاوہ طلباً میں شخصیت سازی اور مسابقت کی فضا بھی پیدا کرتا ہے۔ مشہور یونانی فلسفی اور استاد بیسٹولوزی نے ایک بار کہا تھا: ''مجھے سات سال کے لیے ایک بچہ دے دو۔ کوئی شیطان یا فرشتہ پھر اسے بدل نہیں سکے گا۔'' میں اپنے سائنس کے استاد سیوا سبرا منیم ایّر کو اب بھی یاد کرتا ہوں۔ یہ سمجھانے کے لیے کہ پرندے کیسے اڑتے ہیں، وہ میری کلاس کے سب بچوں کو ساحلِ سمندر پر لے جایا کرتے تھے۔ یہی وہ عمل تھا کہ جس کے باعث مجھ میں اڑنے کے بارے میں جاننے کا اور اڑنے سے متعلق کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ میں ایک خلائی انجینئر بن گیا۔ ہمیں ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو صحیح معنوں میں ترغیب دیتے ہیں۔

سوال: جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج کے بچے وقت کے سخت دباؤ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ شاید اب سے پہلے اتنا دباؤ کبھی نہیں رہا تھا۔ وقت پر قابو پانے کے لیے اور نصاب کے بڑھتے ہوئے بوجھ اور اساتذہ اور والدین کے دباؤ سے متعلق آپ ہمیں کچھ مشورہ فرمائیں۔

جواب: تمھیں اپنا ایک نصب العین طے کر لینا چاہیے اور لگاتار اس مقصد کے حصول کے لیے محنت کرتے رہنا چاہیے۔ اگر تمھیں اپنے مضمون سے محبت ہے تو اس میں تمہاری گہری دلچسپی پیدا ہو جائے گی، جس سے تم میں اپنے وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کی صلاحیت بھی اپنے آپ آجائے گی۔ کسی دباؤ کو اپنے آپ پر حاوی ہونے کی اجازت مت دو۔ اپنے فیصلے خود لو۔ مسائل پر قابو پانے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے تمھیں ان پر مکمل دسترس پانا ہوگی۔

سوال: سزائے موت کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

جواب: میرے لیے بحیثیت صدر، بے حد مشکل کاموں میں سے ایک کسی مجرم کی رحم کی درخواست پر فیصلہ کرنا ہوتا ہے، جسے موت کی سزا سنائی جا چکی ہو۔ ایسے کئی مقدمات میرے پاس زیر غور ہیں۔ مجھے پتہ چل چکا ہے ایسے زیادہ تر مقدمات میں سماجی اور معاشی تعصبات کا عنصر بھی کارفرما ہوتا ہے۔ سارے انسان خدا کی مخلوق ہیں۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایک ایسا نظام جو انسانوں پر مبنی ہے، اس بات کا اہل ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے انسان کی زندگی چھین لے۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ پارلیمنٹ میں بھی اور اسی طرح باہر بھی اس موضوع پر سنجیدگی کے ساتھ ایک مباحثہ شروع کیا جائے۔ نظامِ ہستی میں مجرم کو ختم کر دینے کے بجائے اس کی اصلاح کی کوشش کی جانی چاہیے۔

اپنی بات کی تائید میں ان کے جوابات ہمیشہ دلیلوں اور حقائق پر مبنی تفصیلات کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ وہ راست مباحثہ ہی پسند کرتے تھے۔ اس لیے اگر کوئی ٹیچر یا متعارف کرانے والا شخص مداخلت کرتا تو وہ کہتے کہ" آپ فکر نہ کریں، میں خود ہی ان بچوں سے نپٹ لوں گا۔"

ہم واضح ہدایات دیتے تھے کہ ڈاکٹر کلام کو اپنے اور طلبا کے بیچ میں کوئی اینکر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ وہ ان سے براہِ راست گفتگو کریں گے پھر بھی جو بچے انگریزی میں ترسیل کے دوران دقت محسوس کرتے تھے، ان کے لیے مباحثے میں کبھی کبھی مَیں ان کی معاونت کیا کرتا تھا۔

ان کے آٹوگراف (دستخط) لینے کے لیے ہمیشہ بھگدڑ مچنے لگتی تھی۔ طلباً کو وہ جتنا زیادہ ممکن ہو سکتا تھا اپنے دستخط دینے کی کوشش کرتے تھے۔ سکیورٹی ہمیشہ ایک فکر کا مدعا رہتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہر دلعزیز صدر تھے، اس لیے لوگوں کو وہ جتنا ممکن ہو سکتا تھا، اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے۔

تقریروں میں، بشمول یومِ آزادی اور یومِ جمہوریہ کے موقع پر اپنے خطاب تک میں وہ طلباً کے ذریعہ پوچھے گئے چند اچھے سوالات کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔ انھوں نے اٹھاون ویں یومِ آزادی سے قبل دیش کے نام اپنے خطاب میں بھی، اپنے سیفئی دورے کے دوران اٹاوہ کے ایک دسویں جماعت کے طالبِ علم کلدیپ یادو کے پوچھے گئے ایک سوال کو دہرایا تھا، "صدرِ محترم، گاؤں میں پرتبھا بکھری پڑی ہے لیکن سہولیتیں صرف شہروں میں ہی دستیاب ہیں۔ کیا آپ نے ان بچوں

کے لیے بھی کوئی منصوبہ بنایا ہے تاکہ انھیں گاؤں میں ہی اچھی تعلیم مل سکے؟'' انھوں نے جواب دیا، ''مجھے اس بچے کی اپنے دیہی ساتھی طلباً کے لیے تشویش کے جذبے کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ یقیناً یہ بات بنیادی ڈھانچے کی سہولیات کی عدم دستیابی کی دلیل ہے۔'' انھوں نے کلد یپ سے کہا کہ انکا ''پورا'' پروگرام اس مسئلے کا احاطہ کرتا ہے۔ ''ہمیں دیہاتوں میں معیاری تعلیم کے لیے محنت کرنا ہوگی۔ یہ اشد ضروری ہے کہ ہر اسکول میں بنیادی سہولیات مہیا ہوں جیسے کہ ایک اچھی عمارت جس میں ہوادار اور کشادہ کلاس روم موجود ہوں، جن میں باقاعدہ روشن دان بھی بنے ہوں۔ ہر اسکول میں خواہ وہ کسی گاؤں میں ہو یا شہری علاقے میں، ایک اچھے کتب خانے اور تجربہ گاہ کی سہولیت دستیاب ہونا چاہیے۔'' انھوں نے اس طالب علم کو بھروسہ دلایا کہ وہ متعلقہ حکام تک یہ مسئلہ ضرور پیش کریں گے۔

اپنی گفتگو کے دوران وہ طلباً کو ترغیب دلانے والے اقوال زریں بھی کہا کرتے تھے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

ا۔ جب تک ہندوستان دنیا کے سامنے ڈٹ کر کھڑا نہیں ہوگا، کوئی ہمیں احترام کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ صرف طاقت ہی طاقت کو احترام دلاتی ہے۔

2۔ ہمیں طاقتور بننا ہوگا، نہ صرف فوجی قوت کے طور پر بلکہ معاشی قوت کی حیثیت سے بھی۔ یہ دونوں پہلو باہم ساتھ ساتھ پروان چڑھنا چاہییں۔

3۔ ہم نے کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہم نے کبھی کسی پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی نہیں کی۔ ہم نے کسی کی زمین، کسی کی تہذیب، کسی کی تاریخ میں بے جا داخلت نہیں کی۔ ہم نے اپنے طریق زندگی کو دوسروں پر لادنے کی کوشش نہیں کی۔ کیوں؟ کیونکہ میں سمجھتا ہوں ہم نے ہمیشہ دوسروں کی آزادی کا احترام کیا ہے۔

4۔ اگر کوئی ملک کو بدعنوانی سے پاک رکھ سکتا ہے اور اسے خوبصورت اذہان کا ملک بنا سکتا ہے تو میں یقین کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ سماج کے تین ارکان ہیں جو یہ تبدیلی لا سکتے ہیں۔ وہ ہیں۔ والد، والدہ اور پرائمری اسکول کے اساتذہ۔

5۔ اپنے خوابوں کی سچی تعبیر کے لیے پہلے آپ کو خواب دیکھنا ہوں گے۔

6۔ خواب خواب اور خواب، خواب ہی افکار میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور افکار ہی سے عمل پیدا ہوتا ہے۔

7۔ اس کرۂ ارض پر زیر زمین تحقیقات ہوں یا خلائی انکشافات، یہ نوجوانوں کا روشن ذہن ہی ہے جو سب سے اہم وسیلہ ہے۔

8۔ طالب علم کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک 'سوال پوچھنا' ہے۔ 'طلبا کو سوال پوچھتے رہنا چاہیے۔

9۔ جب کسی بڑے نصب العین کے لیے آپ کو حوصلہ افزائی ملتی ہے تو آپ کی خوابیدہ قوتیں، طبیعی صلاحیتیں اور ذہنی قابلیتیں بیدار ہونے لگتی ہیں۔

10۔ جب سیکھنے کا عمل با مقصد ہوتا ہے تو تخلیقیت پروان چڑھتی ہے۔
جب تخلیقیت پروان چڑھتی ہے تو فکر جلا پاتی ہے۔
جب فکر جلا پاتی ہے تو علم کی روشنی پھیلتی ہے۔
جب علم کی روشنی پھیلتی ہے تو معیشت پھلتی پھولتی ہے۔

وہ طلبا پر ہمیشہ خواب دیکھنے کے لیے زور دیا کرتے تھے، ایسے خواب جو افکار میں منتقل اور عمل میں رونما ہوں۔

ان کا خیال تھا کہ عالمی منڈی کے ماحول میں ہندوستان کو ایک ایسا نظام تیار کرنا چاہیے جس میں مسابقت کا جذبہ پروان چڑھ سکے۔ لہٰذا انھوں نے وکالت کی کہ نوجوان ذہنوں کو کارگر طور پر بہبود و ترقی کے لیے سرگرمِ عمل ہونا ہوگا۔ وہ طلبا سے کہتے تھے کہ ''سوچ ہی نمو ہے۔ سوچ کا فقدان کسی فرد یا ادارے یا قوم کی تباہی کے مترادف ہے۔ ہندوستان کے لیے ایک دوسرا وژن نہایت ضروری ہے۔ ہندوستان کی آبادی کا 70 فیصدی حصہ جواں سال ہے۔ صرف ملک کا وژن ہی ان جواں سال اذہان کو تابناک بنا سکتا ہے۔ اس کرۂ ارض پر ایک انقلاب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے علم کی دولت سے سرشار اور تابناک ذہن ہی ایک کارگر ذریعہ بن سکتا ہے۔''

انھوں نے بچوں سے کہا کہ یہ نوٹ کرلیں کہ انسانی ذہن ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ فکر و جستجو کے ذریعہ ہی کوئی شخص کائنات کے گہرے اسرار و رموز کو پا سکتا ہے۔ بچوں کے لیے اُن کی اِن سبق آموز باتوں کا خلاصہ یہی تھا کہ سوچ کا عمل ہی انسان کا بنیادی سرمایہ ہے۔

ایک بار ایک مباحثے کے دوران کسی طالب علم نے ڈاکٹر کلام سے سوال کیا کہ کیا انھوں

نے مہا بھارت پڑھی ہے؟ اگر پڑھی ہے تو اس رزمیہ میں ان کا سب سے پسندیدہ کردار کون سا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ وِدُورا کے کردار سے خصوصی طور پر متاثر رہے تھے جس نے حکام کے اعمال کو اجاگر کردیا تھا اور جب ادھرم کے ظلم و جبر کے آگے ہر ایک شخص جھکنے پر مجبور ہو گیا تو اس نے اختلاف کا حوصلہ دکھایا تھا۔ انہوں نے بچوں سے اپنے روزمرہ کی زندگی میں وِدُورا کے کردار کو انگیز کرنے کی تلقین کی اور ناانصافی کے خلاف عدم تشدد کے ساتھ احتجاج کرنے کو کہا۔

ڈاکٹر کلام طلبا کو کہا کرتے تھے کہ وہ پانچ عظیم انسانوں کی زندگی اور تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ وہ پانچ انسان خلیفہ حضرت عمرؓ، مہاتما گاندھی، البرٹ آئنسٹائن، سمراٹ اشوک اور ابراہم لنکن تھے۔

ان عظیم شخصیات کے کارہائے نمایاں کو یاد کرتے ہوئے وہ حیران ہوا کرتے تھے کہ دنیا نے کلنگ کی لڑائی یا مہاتما گاندھی اور ابراہم لنکن یا ان جیسے کئی اور لوگوں کو شہادت کی نوبت تک پہنچا دیا۔ ڈاکٹر کلام اکثر سمراٹ اشوک کا ایک قول دہرایا کرتے تھے کہ ''دوستو، ایک بات ہے جو میں نے شدت سے محسوس کی ہے وہ یہ کہ تکلیف پہنچانے میں کوئی جیت نہیں ہوتی۔ جیت ایک پُرامن مملکت کا نام ہے۔'' طلبا کے ساتھ اپنے مباحثے کے دوران اکثر وہ حضرت عمرؓ کے اس قول کو دہراتے تھے، ''یروشلم میں داخل ہونے کے بعد میں یہ جان چکا تھا کہ تمام انسان مساوی ہیں۔ دوسروں کو اپنے راستے پر چلانے کے لیے زور دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمھیں وہی ملے گا جس کا حکم تمہارے لیے ہوا ہے۔ خدا ہی مُطلق العنان ہے۔''

مارچ 2003 میں صدر کلام نے مُمبئی کے ایک کالج میں جسے انجمنِ اسلام ٹرسٹ چلاتا ہے، ایک یادگار تقریب میں شرکت کی۔ ریاستِ کرناٹک میں انجمنِ اسلام ٹرسٹ، ایک قدیم ترین اقلیتی ادارے کی روح رواں ہے اور یہ ادارے کے صد سالہ جشن کا موقع تھا۔ ڈاکٹر کلام نے طلباً سے اپنے عام فہم لب و لہجے میں بیان کیا کہ ''ہندوستان ایک مختلف المذہب، مختلف اللسان اور مختلف النسل ملک ہے اور اپنی گونا گونیت کے ساتھ یہاں ایک تہذیبی اتحاد کی فضا موجود ہے اور ہر ایک شخص کو اس تکثیریت کو برقرار رکھنے کے لیے متحد ہو کر سعی کرنا چاہیے۔'' انھوں نے طلبا سے ایک صاف و شفاف زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور حضرت محمدﷺ کی ایک حدیث کا ذکر کیا

کہ "جب تم بولو تو سچ ہی بولو۔ تم جو وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ ہمیشہ اعتماد پر کھرے اُترو۔ جو نا جائز ہو یا برا ہو تو اسے اپنے ہاتھ میں لینے سے اجتناب کرو۔" پیغمبرﷺ نے فرمایا تھا، "کون سے اعمال بہترین ہوتے ہیں؟ دلوں کو خوش رکھنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ جو تکلیف میں ہوں ان کی مدد کرنا، جو غمگین ہوں انکی غمگساری کرنا، جو زخمی ہوں ان کے درد دور کرنا۔"

یہ حدیث انھیں ان کے ایک دوست شری وائی ایس راجن نے سنائی تھی جو تمل ناڈو کے ایک دیکشیدار کے پڑپوتے ہیں۔

پیغمبر اسلام اپنے صحابیوں کو کہا کرتے تھے، "سبھی ذی روح اشیاء خدا کی مخلوقات ہیں اور خدا کا سب سے پسندیدہ بندہ وہ ہے جو خلقِ خدا کی امداد کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔"

ڈاکٹر کلام نے کہا تھا کہ ہمارے ملک کی خوبصورتی اسی امر میں پوشیدہ ہے۔

صدر کلام جون 2003 میں چینئی کے رام کرشن مشن اسٹوڈینٹس ہوم میں پہنچے۔ وہاں انھوں نے طلبا کو سنت رام کرشن اور سوامی وویکانند کے دو اقوال سنائے۔ سوامی رام کرشن نے کہا تھا، "جس طرح ایک دیا بغیر تیل کے نہیں جل سکتا اسی طرح ایک آدمی خدا کے بغیر نہیں جی سکتا ہے۔" سوامی وویکانند کا قول تھا کہ "تخیل کا ٹھیک استعمال کریں تو یہ ہماری سب سے بڑی طاقت ثابت ہوتا ہے۔ یہ عقل سے آگے بھی پرواز کرتا ہے اور یہی ایک ایسی روشنی ہے جو چار سو پھیل جاتی ہے۔" انھوں نے 1897 کا ایک واقعہ بیان کیا جب سوامی وویکانند مغرب سے واپس لوٹ آئے تھے۔ تب اس وقت کے مدراس کے شہریوں نے ان کے اعزاز میں ایک تاریخی نوعیت کا جشن منعقد کیا تھا۔

ڈاکٹر کلام جسمانی طور پر معذور اور بصارت سے محروم اور ساتھ ہی قوتِ ساعت سے محروم بچوں کی فلاح و بہبود میں بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔

19 اگست 2003 کو صدر کلام نے دہلی میں اسکول آف ہوپ کے ایک پروگرام میں شرکت کی جو کہ آٹزم اور ایک سے زیادہ معذوریت والے بچوں کے لیے ایک تربیتی اور معالجے کا مرکز تھا۔ یہ نئی دہلی میں ایک بڑے پبلک اسکول کی سابق پرنسپل محترمہ شامہ کوہنہ نے اپنی بیٹی تمنا اور اس جیسی سیکڑوں آٹیزم اور دیگر اسی طرح کی معذوریت میں مبتلا بچوں کے لیے بنوایا تھا۔

مختلف طرح سے معذور بچوں کے لیے یہ اسکول مبسوط سہولیات فراہم کرتا تھا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے کہا تھا: 'محبت اور رحم دلی سے پہاڑوں کو ہلایا جاسکتا ہے۔ انہیں پاش پاش کر کے وادیوں میں ڈھالا جاسکتا ہے جہاں ہر رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ دوسرے عام بچوں کی طرح اگر ہم ایک خصوصی بچے کو پیار کے ساتھ اور تعلیم سے آراستہ کرتے ہوئے پروان چڑھائیں تو وہ ایک ابھرتا ہوا ستارا بن سکتا ہے اور زندگی کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔" صدر کلام ہمیشہ بچوں سے کہتے تھے: "اگر تم کچھ نہیں کرو گے تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا لیکن اگر تم کچھ کرو گے تو مشکلیں درپیش آئیں گی۔ تمہیں ان پر فتح حاصل کرنا ہوگی۔ مشکلوں سے ڈرو مت۔ تمہیں مشکلوں پر غلبہ پانا ہوگا اور کامیابی حاصل کرنا ہوگی۔"

بچوں کے ساتھ ان کا انداز تکلم ایک استاد کے جیسا ہوتا تھا۔ وہ ان سے ہمیشہ یہ کہتے تھے، ''کیا تمہیں سمجھ میں آیا؟ کیا میں تمہیں واضح کر سکا؟''

جب وہ بچوں کے آمنے سامنے ہوتے تھے تو کبھی کبھی وہ کسی ڈزنی گیت کے بول بھی دہرانے لگتے تھے۔

جب تم کسی ستارے پر اپنی تمنا ظاہر کرتے ہو
تو کیا فرق پڑتا ہے کہ تم کون ہو
جس چیز کی تمہارا دل آرزو کرے
وہ تمھیں بے شک ملے گی۔

احمد آباد کے سابرمتی آشرم میں اسکول کے بچوں سے ملاقات کے دوران انھوں نے ان سے لفظ ''ناممکن'' کو اپنی لغت سے نکال دینے کو کہا تھا۔ ''کبھی کبھی یہ لفظ تمھارے استاد کہہ سکتے ہیں، کوئی دوسرا شخص بھی یہ لفظ ادا کر سکتا ہے، مگر تم اس پر کبھی یقین مت کرنا۔'' عظیم سائنسداں لارڈ کیلون کی ایک کہانی بیان کرتے وقت، جس نے 1885 میں کہا تھا کہ کوئی بھی چیز جو ہَوا سے بھاری ہو، اُڑ نہیں سکتی، انھوں نے مشاہدہ کیا کہ وہ سائنسداں اس وقت غلط ثابت ہو گیا جب رائٹ برادرس نے ہوائی جہاز کو ایجاد کر لیا۔ انھوں نے عظیم ہندوستانی خلائی سائنسداں چندر سیکھر سبرامنیم کی کہانی بھی بیان کی جنھوں نے 'بلیک ہولس' کا انکشاف کیا تھا اور یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سورج اگلے دس ارب سال تک ہی چمکتا رہے گا۔ ڈاکٹر کلام نے مشاہدہ کیا

کہ اس کے پانچ ارب سال پہلے ہی بیت چکے ہیں، لہٰذا اس نظریہ کے حساب سے کائنات محض پانچ ارب سال ہی مزید موردِ وجود میں رہے گی۔

اپنے مباحثے کے دوران وہ طلباً سے کہا کرتے تھے کہ برطانوی دورِ حکومت میں ہندوستان نے پانچ عظیم سائنسداں پیدا کیے تھے، کیونکہ اس وقت کے لوگ اپنے آپ کو اہلِ مغرب کے مقابلے میں برتر ثابت کرنے کے لیے حصولِ علم کی جانب راغب ہوتے تھے۔

اپنے مدتِ کار کے آخر میں مارچ 2007 کے آس پاس دہلی کے ایک اسکول کے طلبا کا ایک گروپ ان سے ملنے کے لیے حاضر ہوا۔ وہ ان سے راشٹر پتی بھون کے انٹیلیک چوئل روم میں ملے اور پُر تجسس طلباً کا یہ گروپ پورے انہاک سے انھیں سننے کے لیے بیٹھ گیا۔ انھوں نے اپنے کام کرنے کے مخصوص ہنر کے بارے میں بتایا کہ وہ جہاں جہاں کام کرتے تھے اور جو بھی پروجیکٹ اپنے ہاتھ میں لیتے تھے کیسے ان کا دماغ ٹیم بنانے میں اور ٹیم کی مدد سے کارہائے نمایاں انجام دینے میں ماہر ہو چکا تھا۔

مباحثہ جیسے جیسے خاتمے کی طرف بڑھا، ایک طالب علم نے ان سے کوئی کہانی سنانے کی التجا کی۔ ڈاکٹر کلام نے ایک خرگوش اور کچھوے کے دوڑ کے مقابلے کی کہانی کہنا شروع کی جو اتنی زیادہ مقبول رہی ہے کہ اس سے اکتاہٹ پیدا ہو سکتی تھی اگر اس میں انھوں نے ایک گھماؤ نہ ڈالا ہوتا اور سب لوگ جو وہاں جمع تھے ان کے لیے اس میں ایک خاص سبق نہ ہوتا۔ اس گھماؤ کے ساتھ کہانی میں خرگوش اور کچھوا دوڑ کی بازی جیتنے کے لیے مسابقت نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے بجائے ریس ایک ساتھ جیتنے کے لیے معاونت کر رہے تھے۔ کچھوا خرگوش کو تالاب پار کرانے کے لیے معاونت کرتا ہے جبکہ خرگوش اسے راستے میں پڑنے والی رکاوٹوں سے پار لگاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور اس طرح دونوں سب کی امیدوں سے زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ کی لکیر اختتام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جب انھوں نے کہانی مکمل کر لی تو صدرِ محترم نے اپنے اے ڈی سی اور دیگر اراکینِ دفتر سے کہا کہ کیا وہ اس کہانی کی اہمیت کو سمجھ گئے۔ ہر ایک نے ان کے پیغام کا خلاصہ پیش کرنے کی سعی کی۔ مگر لفظوں کے انتخاب میں کسی حد تک سُست رفتاری برتی۔ کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد انھوں نے خود ہی بیان کیا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم اپنی مخصوص

صلاحیتوں کو مشترکہ طور پر بروئے کار لائیں تو بہ نسبت انفرادی کاوش کے یا ایک دوسرے کے بر خلاف مسابقت کرنے کے، ہم تیز رفتاری سے اپنے نصب العین تک پہنچ سکتے ہیں اور اس طرح یہ سب کی ساجھا کامیابی کہلائے گی۔

باالفاظِ دیگر، اسے پوری ٹیم کی جیت سے محمول کیا جا سکتا ہے۔اس میں کسی کی ہار نہیں ہو تی۔طلبا اتنے با معنی سبق کو سیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔

یہ ڈاکٹر کلام کی خاص خوبی تھی یعنی لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا اور ٹیمیں تیار کرنا۔ وہ طلبا کو ہر بار مباحثے میں ایک عہد دلواتے تھے۔انھوں نے ہندوستان کے نوجوانوں کے لیے ایک سات، نکاتی عہد نامہ تیار کیا تھا۔

ا۔ مجھے احساس ہے کہ میں نے زندگی کا ایک مقصد بنا لیا ہے، علم حاصل کرنا اور اس کے لیے سخت محنت کرنا اور جب مسائل درپیش آئیں تو انھیں تسخیر کرنا۔

2۔ میں حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے تمام مقاصد میں کامیابی حاصل کروں گا اور دوسروں کی کامیابی سے خوش ہوں گا۔

3۔ میں ہمیشہ اپنے آپ کو، اپنے گھر کو اور اپنے پڑوس کو صاف ستھرا رکھوں گا۔

4۔ مجھے احساس ہے کہ دل کی راست بازی، کردار کی خوبصورتی کی طرف اشارہ کرتی ہے؛ گھر کی ہم آہنگی ملک میں استحکام کی طرف گامزن کرتی ہے۔جس کے نتیجہ میں دنیا میں امن قائم ہوتا ہے۔

5۔ میں ایمانداری کی زندگی بسر کروں گا جو تمام بدعنوانیوں سے پاک ہو اور دوسروں. کے لیے (بشمول میرے اپنے خاندان کے) زندگی کے راست بازی پر مبنی راستے کو اختیار کرنے کے لیے کوشش کروں گا جو ایک مثال قائم کرے گی۔

6۔ میں ملک میں علم کی شمع روشن کروں گا اور یہ یقینی بناؤں گا کہ وہ ہمیشہ ہمیش روشن رہے۔

7۔ مجھے احساس ہے کہ جو کچھ بھی کام میں کرتا ہوں اگر اسے اچھے سے کروں تو یہ 2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان کے وژن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میرا ایک تعاون کہلائے گا۔

لوک سبھا انتخابات 2004 اور اس کے سیاسی مضمرات

این ڈی اے حکومت نے مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ اور راجستھان کے ریاستی مجلسِ قانون ساز کے انتخابات جیتنے کے بعد، قبل از وقت لوک سبھا تحلیل کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ اس کامیابی کو بھنایا جاسکے۔ انھوں نے یہ سوچا تھا کہ انڈیا شائننگ کیمپین کے ساتھ ملک میں ترقی اور خوشحالی کا عام احساس کارفرما ہے اور وہ مقررہ وقت سے پہلے رائے دہندگان کا سامنا کرنے کے نقطۂ نظر سے بہتر حالت میں ہیں۔ 27 جنوری 2004 کو شری واجپئی نے ڈاکٹر کلام سے ملاقات کی اور لوک سبھا کو تحلیل کرنے کی سفارش کی۔ اگرچہ ڈاکٹر کلام جلدی انتخابات کے حق میں نہیں تھے، مگر تیرھویں لوک سبھا کو تحلیل کرنے اور قبل از وقت الیکشن منعقد کرانے کے لیے تیار ہوگئے۔

حالانکہ، ایک آئینی مسئلہ رونما ہوا کہ وزیرِ اعظم کو لوک سبھا تحلیل ہو جانے کے بعد استعفیٰ دینا ہوگا اور خود کو ایک 'نگراں' وزیرِ اعظم ماننا ہوگا۔ ڈاکٹر کلام نے یہ مسئلہ وزیرِ اعظم شری واجپئی کے سامنے رکھا۔ وزیرِ اعظم کو ملنے والی قانونی صلاح کے مطابق انھیں استعفیٰ دینے کی آئینی ضرورت نہیں تھی کیونکہ لوک سبھا میں وہ اکثریت میں تھے۔ شری واجپئی نے ڈاکٹر کلام سے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ دوبارہ اٹارنی جنرل سے اس ضمن میں جانچ کے لیے رجوع کرلیں گے۔ اٹارنی جنرل سولی سوراب جی نے رائے دی کہ وزیرِ اعظم کو استعفیٰ کی اور لوک سبھا کی تحلیل کے بعد نگراں

وزیر اعظم بننے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ وہ ایوان میں اکثریت رکھتے ہوں۔ شری سوراب جی 4 فروری 2004 کو صدر سے ملے تاکہ وہ ذاتی طور پر اس ضمن میں اپنی قانونی رائے انھیں بتا سکیں۔ اس وقت کے مرکزی وزیر قانون شری ارون جیٹلی بھی ڈاکٹر کلام سے ملے اور ان کے ساتھ اس موضوع پر قانونی اور آئینی صورتِ حال پر گفتگو کی۔ اس میٹنگ کے بعد ڈاکٹر کلام حکومت کے نقطہ نظر سے پوری طرح مطمئن ہو گئے تھے۔

گذشتہ رکارڈس سے پتہ چلتا ہے کہ نہ 1971 میں اور نا ہی 1977 میں اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے استعفیٰ دیا تھا جبکہ لوک سبھا کو تحلیل کرنے کی اسی نوعیت کی سفارش ہوئی تھی۔ دونوں موقعوں پر ان کے پاس اکثریت تھی۔

اس بات کی حمایت میں کہ استعفے کی ضرورت نہیں ہے سپریم کورٹ کے 1971 کے ایک فیصلے کا حوالہ بھی دیا گیا، جس میں کورٹ نے ایک ایسے ہی تنازعے کو نپٹاتے ہوئے اس وقت کے وزیر اعظم کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ وزیر اعظم 5 فروری کو دوبارہ صدر سے ملے اور اس طرح وزیر اعظم شری واجپئی کے استعفے کے بغیر ایوان کو تحلیل کیے جانے کا راستہ صاف ہو گیا۔

6 فروری 2004 کو میرے توسط سے راشٹر پتی بھون سے ایک مراسلہ جاری کر دیا گیا جس کے مطابق:

"وزیر اعظم شری اٹل بہاری واجپئی 27 جنوری 2004 کو صدر محترم سے ملے اور مرکزی کابینہ کے مشورے سے انھوں نے آگاہ کیا کہ 6 فروری کو لوک سبھا کو تحلیل کر دیا جائے۔

جمعرات 5 فروری کو وزیر اعظم نے دوبارہ صدر سے ملاقات کی اور اطلاع دی کہ ووٹ آن اکاؤنٹ (ریلوے اور عام) اور فائنانس بل 2004 پاس کر دیا گیا ہے۔

کیونکہ فائنینشیل اور دیگر بزنس پارلیمنٹ کے ذریعہ پاس کیے جا چکے تھے۔ لہٰذا اب صدر نے سفارش مان لی ہے اور آئینِ ہند کے آرٹیکل 85 کے کلاز (2) کے سب کلاز (B) کے ذریعہ تفویض کیے گئے اختیارات پر عمل درآمد کرتے ہوئے 13 ویں لوک سبھا کو آج فوری اثر سے تحلیل کیے جانے کے حکم پر دستخط کر دیے ہیں۔"

13 ویں لوک سبھا کا مدتِ کار 19 اکتوبر 2004 کو پورا ہونا تھا۔ لیکن، اس مراسلے کے

ساتھ لوک سبھا 6 فروری 2004 ہی کو تحلیل کر دی گئی تھی یعنی مدتِ کار کے ختم ہونے سے آٹھ مہینے بارہ دن پہلے۔

انتخابات 20 اپریل سے 10 مئی 2004 کے درمیان مختلف مراحل میں منعقد کرائے گئے۔ 18 اپریل 2004 کو ڈاکٹر کلام نے انتخابات کے پہلے مرحلے سے قبل ملک کے نام اپنے پیغام میں رائے دہندگان سے اپنے حقِ رائے دہی کے استعمال کی درخواست کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ہندوستانی صدر نے رائے دہندگان سے اپنے حقِ رائے دہی کو استعمال کرنے کے لیے آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن پر ملک کے نام اپنے پیغام کے ذریعہ کہنا پسند کیا، جس کے براہِ راست ٹیلی کاسٹ کو دوسرے چینلوں نے بھی دکھایا۔ اپنے پیغام میں ڈاکٹر کلام نے کہا۔ ''آپ اس امیدوار کو جو آپ کے خیال میں لوک سبھا میں آپ کی نمائندگی کر سکے، اپنا ووٹ ڈال کر ایک خوشحال، شادماں محفوظ اور ان سب سے بڑھ کر ایک برگزیدہ ہندوستان کے لیے بیج بو رہے ہیں۔''

صدر ڈاکٹر کلام نے راشٹرپتی بھون کامپلیکس میں ڈاکٹر راجیندر پرساد سینئر سیکنڈری اسکول کے بوتھ میں جا کر نئی دہلی کے انتخابی حلقہ میں ووٹنگ شروع ہونے کے چند منٹ بعد ہی اپنا ووٹ ڈالا۔ اپنا ووٹ ڈالنے کے بعد انہوں نے کہا، ''اپنا حقِ رائے دہی استعمال کرنے کے بعد مجھے اچھا محسوس ہو رہا ہے۔'' جب انھوں نے اپنا ووٹ ڈالا تو میں پولنگ بوتھ کے باہر ہی موجود تھا۔ وہاں میڈیا والوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے اصرار پر ڈاکٹر کلام نے ان سے مختصر ملاقات کی اور اپنا ردِ عمل ظاہر کیا۔

انتخابی مہم کے دوران ڈاکٹر کلام نے کوئی بھی عوامی جلسے میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ لیا تھا۔ اگر چہ کہ انتخابی ضابطۂ اخلاق کا اطلاق صدر پر نہیں ہوتا ہے۔

13 مئی 2004 کو انتخاب کے نتیجہ کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ ان انتخابات میں برسرِ اقتدار بی جے پی پچھڑ گئی۔ کانگریس نے 1999 میں 114 نشستیں لی تھیں جو، اب بڑھ کر 145 تک پہنچ گئیں، جبکہ بی جے پی کی 1999 کی 182 نشستیں کم ہو کر 138 ہی رہ گئیں۔

شری اے بی واجپئی نے ڈاکٹر کلام سے ملاقات کی اور انھیں اپنا استعفیٰ سونپ دیا۔ یہ ایک بڑی جذباتی ملاقات تھی کیونکہ سیاست کے دائرے سے الگ ان دونوں کے درمیان ایک ذاتی نوعیت کا رشتہ

تھا۔ مجھے یاد ہے جب شری واجپئی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا "تمھارے بوس (ڈاکٹر کلام) بڑی شاندار شخصیت کے مالک ہیں!"

درحقیقت شری واجپئی ڈاکٹر کلام کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے اتنے زیادہ مسحور تھے کہ جب وہ مارچ 1998 میں وزیر اعظم بنے تو وہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر کلام ان کی کابینہ میں شامل ہوں۔ ڈاکٹر کلام نے ان سے معذرت چاہی تھی اور بتایا تھا کہ وہ قومی اہمیت کے دو دفاعی پروگراموں میں مصروف عمل ہیں۔ ایک تو اگنی میزائل کا نظام مرتب کرنا اور دوسرا نیوکلیئر پروگرام تھا۔ جو ان کی تمام تر توجہ کا متقاضی تھا اور دونوں پروگرام کافی آگے کے مرحلے میں تھے۔ شری واجپئی نے اپنی کابینہ میں ان کی شمولیت سے متعلق عذر کو مان لیا اور ان پروگراموں کے لیے نیک خواہشات کی تمنا کی۔

15 مئی 2004 کو ڈاکٹر کلام نے سبکدوش ہونے والے وزیر اعظم شری واجپئی اور ان کے رفقائے کار کے لیے ایک عشائیہ کا اہتمام کیا۔ میں ضیافت کی میز پر شامل تھا۔ اس موقع پر دونوں رہنماؤں نے تقریریں کیں اور ایک دوسرے کو گرم جوشی سے خراج تحسین ادا کیا۔

ڈاکٹر کلام نے اپنی الوداعی تقریر میں شری واجپئی کی شاعری کا حوالہ دیا اور ان کی نظم "اونچائی" کو یاد کیا جس میں شاعر واجپئی نے کہا تھا کہ آدمی حاصل کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس کے کارنامے اسے جدید تر بلندیوں پر لے جاتے ہیں مگر بالآخر وہ تنہا رہ جاتا ہے۔ کیا اکیلا پن ایک نعمت ہے؟ یا ایک لعنت؟ ڈاکٹر کلام نے کہا، "شری واجپئی جی اپنی نظم کا خلاصہ ان الفاظ میں کرتے ہیں 'میرے خدا! مجھے اتنی بلندی کبھی عطا مت کرنا کہ میں دوسرے انسانوں کے آگے جھک نہ سکوں'"

جواب میں وزیر اعظم شری واجپئی نے ڈاکٹر کلام کی قائدانہ صلاحیتوں کی تعریف کی اور کہا کہ ان کے ساتھیوں نے اور خود انھوں نے بھی ڈاکٹر کلام کی سادگی اور انکساری سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

17 مئی 2004 کو ہندوستان کے الیکشن کمیشن نے 14 ویں لوک سبھا کی تشکیل کی اور صدر کو اعلان نامہ جاری کیا۔ الیکشن کمیشن شری گوپال سوامی کی سربراہی میں اعلان نامہ پیش کرنے کی غرض سے راشٹر پتی بھون پہنچا۔ ڈاکٹر کلام نے شری گوپال سوامی سے اعلان نامہ لیتے ہوئے

کہا، "یہ ایک طویل الیکشن تھا۔" ان کی مراد ان مختلف مراحل کی طوالت سے تھی جن میں عملِ انتخاب پورا ہوا تھا۔

کیونکہ یہ ملے جلے نتائج تھے اس لیے صدر کو حکومت کی تشکیل میں ایک اہم رول ادا کرنا تھا۔ لیکن چونکہ کسی بھی ایک جماعت کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی تھی لہٰذا کوئی بھی جماعت حکومت سازی کے لیے آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ چار دن بیت چکے تھے۔ ڈاکٹر کلام نے محترمہ سونیا گاندھی کو جو کہ واحد سب سے بڑی جماعت کانگریس کی سربراہ تھیں، ایک مراسلہ لکھنے کا فیصلہ کیا کہ وہ ان سے ملیں اور حکومت سازی کے امکان پر بات چیت کریں۔ ڈاکٹر کلام نے قانونی اور آئینی مسائل پر بھی قانونی ماہرین سے بشمول شری جے ایس ورما، سابق چیف جسٹس آف انڈیا اور اٹارنی جنرل شری کے پاراسرن سے بھی گفتگو کی تھی۔ محترمہ سونیا گاندھی کو کانگریس پارلیمانی جماعت کے رہنما کے طور پر چنا گیا تھا۔ کچھ اور جماعتوں نے بھی ان کی حمایت میں اپنی تائید کا اعلان کردیا۔ محترمہ سونیا گاندھی نے مراسلہ وصول کیا اور 18 مئی 2004 میں دن میں 12:15 بجے ملنے کا اپائنٹمنٹ لیا۔ محترمہ گاندھی ڈاکٹر منموہن سنگھ کے ساتھ راشٹرپتی بھون پہنچیں۔ صدر کا محترمہ گاندھی کی بحیثیت وزیرِ اعظم کی تقرری کا ڈرافٹ پہلے ہی سے تیار تھا۔ جیسا کہ امید تھی کہ وہ حکومت بنانے کے لیے اپنا رسمی دعویٰ پیش کریں گی اور دوسری سیاسی جماعتوں کی حمایت کے خطوط ساتھ لیکر آئیں گی تاکہ اکثریت کی حمایت ثابت کی جاسکے۔

بعد میں ڈاکٹر کلام نے ہم سے کہا کہ وہ محض گفتگو ہی کے لیے تشریف لائی تھیں۔ انہوں نے ڈاکٹر کلام سے کہا تھا کہ وہ دوبارہ حمایت کے خطوط کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

اس واقعے کے بعد اور محترمہ سونیا گاندھی کے بطور کانگریس کی جماعتِ مقننہ کی رہنما منتخب کیے جانے کے بعد سیاسی سرگرمیوں کا ایک جھونکا سا آ گیا۔ کچھ سیاسی رہنماؤں نے محترمہ گاندھی کے غیر ملکی نژاد ہونے اور بطور وزیرِ اعظم ناقابلِ قبول ہونے کے ضمن میں بیانات دیے۔ بی جے پی کی اعلیٰ رہنما اور سابق وزیر نے 19 مئی کو صدر ڈاکٹر کلام سے ملاقات کی اور ان کے غیر ملکی نژاد ہونے کی بنیاد پر وزیرِ اعظم کی حیثیت سے محترمہ سونیا گاندھی کو عہد (Oath) نہ دلانے پر زور دیا۔ ایک اور اعلیٰ سیاسی رہنما ڈاکٹر کلام سے ملے اور اٹلی کے آئین میں شہریت سے متعلق بعض نکات کو مدِ نظر

رکھتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ہندوستان میں وہ کسی آئینی عہدے کو اختیار نہیں کر سکتیں، اس نقطۂ نظر سے ایک عرضداشت پیش کی۔ اس نے اٹلی کے آئین کے ایک دفعہ کا حوالہ دیا جس کے مطابق کوئی بھی غیر ملکی جو پیدائشی طور پر وہاں کا شہری نہ ہو بلکہ اٹلی کی شہریت اس نے حاصل کی ہو تو وہ وہاں کسی آئینی عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے مطابق اُصولِ متبادلہ کے تحت وہی دفعہ ہندوستان میں بھی لاگو ہوگی اور اٹلی نژاد کوئی شخص جو ہندوستانی شہریت حاصل کرتا ہے وہ بھی یہاں کے کسی آئینی عہدے پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ہندوستانی آئین میں ایسا کوئی پروویژن نہیں ہے جو کسی ایسے شخص کو جس نے کوئی آئینی عہدہ پالیا ہو، اس بنیاد پر نااہل قرار دے کہ اس نے یہاں کی شہریت حاصل کی تھی۔ جب محترمہ سونیا گاندھی کو شہریت دی گئی تھی تو اس وقت ان کی شہریت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ آئینِ ہند میں ایسی کوئی دفعہ کا ذکر موجود نہیں تھا۔

محترمہ سونیا گاندھی نے اگلے دن 19 مئی 2004 کو شام 8:15 بجے کا اپائنٹمنٹ لیا۔ راشٹر پتی بھون میں ڈرافٹ دوبارہ تیار رکھا گیا تھا۔ محترمہ سونیا گاندھی دوبارہ ڈاکٹر منموہن سنگھ کے ساتھ ہی تشریف لائیں۔ انھوں نے ڈاکٹر کلام کو اطلاع دی کہ ڈاکٹر سنگھ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے رہنما اور وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار رہیں گے۔ وہ اپنے ساتھ کانگریس پارلیمانی پارٹی اور دیگر جماعتوں کی حمایت کے خطوط کے ذریعہ منظور شدہ قرارداد بھی ساتھ لائی تھیں۔

محترمہ سونیا گاندھی کو اس طرح کے عہدے سے روکنے کے لیے کوئی قانونی یا آئینی جواز موجود نہیں تھا۔ اس لیے ڈاکٹر کلام نے لوک سبھا میں اکثریتی گروپ کی رہنما ہونے کے باعث، محترمہ گاندھی کو وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ لیا تھا۔ لیکن انھوں نے گروپ کی قیادت سے انکار کا فیصلہ لیا اور پارلیمنٹری پارٹی کے سربراہ اور وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار کے طور پر ڈاکٹر منموہن سنگھ کی تقرری کروائی۔ اس کے بعد تقرری کا حکم نامہ شری منموہن سنگھ کے نام سے جاری کیا گیا اور 22 مئی 2004 کو عہدے کا حلف لیتے ہوئے وہ ہندوستان کے وزیر اعظم بن گئے۔

میڈیا کے ایک طبقے میں یہ قیاس آرائی کی جا رہی تھی کہ محترمہ سونیا گاندھی نے عہدے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ ڈاکٹر کلام ان کی شہریت کے مسئلے کے باعث انہیں وزیر اعظم کے طور پر تقرری

دینے میں پس و پیش میں تھے۔ ڈاکٹر کلام نے مجھے ایک پریس بیانیہ جاری کرنے کے لیے ہدایت دی کہ مسئلہ شہریت ان کے ساتھ کبھی بھی زیر بحث نہیں آیا اور ایسا کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ درحقیقت جو خط محترمہ گاندھی کی تقرری کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ وہی بعد میں بدل کر شری منموہن سنگھ کے نام کر دیا گیا تھا۔ لیکن میڈیا میں یہ چہ مگوئیاں 2012 تک چلتی رہیں، جب تک ڈاکٹر کلام نے خود اپنی کتاب ''ٹرننگ پوائنٹس۔ اے جرنی تھرو چیلینجس'' میں اس کا ذکر نہ کر دیا۔

''میرے پاس کئی لوگوں، اداروں اور جماعتوں کے بے شمار ای۔میلس اور خطوط آئے تھے کہ میں محترمہ سونیا گاندھی کو اپنے ملک کا وزیر اعظم بننے کی اجازت نہ دوں۔ میں نے یہ میلس اور خطوط حکومت میں مختلف ایجنسیوں کو بغیر کسی تبصرے کے ان کی اطلاع کے لیے بھیج دیے تھے۔ اس عرصے میں بہت سے سیاسی رہنما بھی مجھ سے اس درخواست کے ساتھ ملنے آئے تھے کہ میں کسی دباؤ میں نہ آؤں اور محترمہ سونیا گاندھی کا وزیر اعظم کی حیثیت سے تقرر نہ کر دوں۔ ایک ایسی درخواست جو آئینی طور پر مناسب نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر انھوں نے خود اپنے لیے کوئی دعویٰ پیش کیا ہوتا تو میرے پاس انہیں تقرر کرنے کے علاوہ کوئی متبادل نہیں ہوتا۔

طے شدہ وقت پر ٹھیک شام 8:15 بجے محترمہ گاندھی راشٹر پتی بھون ڈاکٹر منموہن سنگھ کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ اس ملاقات میں علیک سلیک کے بعد انھوں نے مجھے مختلف جماعتوں کی حمایت کے خطوط دکھائے۔ تب میں نے کہا، ''خوش آمدید۔ راشٹر پتی بھون آپ کے پسندیدہ وقت پر تقریب حلف برداری کے لیے تیار ہے۔'' اس وقت انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ ڈاکٹر منموہن سنگھ کو وزیر اعظم کے عہدے کے لیے نامزد کرنا چاہتی ہیں جو 1991 میں معاشی اصلاحات کے معمار رہے ہیں اور کانگریس پارٹی کے ایک قابلِ اعتماد ستون اور ایک بے داغ شخصیت کے مالک ہیں۔ یہ بات یقینی طور پر میرے لیے حیرانی کا باعث بنی اور راشٹر پتی بھون سیکریٹریٹ کو ڈاکٹر منموہن سنگھ کے وزیر اعظم کے طور پر تقرری اور جلد از جلد حکومت سازی کے لیے مدعو کرنے کا خط دوبارہ تیار کرنا پڑا۔''

دوسری مدت کار کی پیشکش

جون 2007 آ گیا تھا۔ ڈاکٹر کلام کی مدت کار پوری ہونے والی تھی۔ میں نے اپنی فیملی کے ساتھ بینگلور اور میسور جانے کا منصوبہ بنایا اور اس ضمن میں ایک ہفتے کی چھٹی منظور کرا رکھی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ ایک نسبتاً کم مصروفیت کا وقت تھا۔ لہٰذا چھٹی پر جانے کا یہ ایک بہتر موقع ہوسکتا تھا۔ ہر چیز پہلے سے پلان کرلی تھی۔ میں نے اپنے دوست، معروف اداکار سنجے خان کو اطلاع دی، جن کا بینگلور کے قریب ایک خوبصورت فارم ہاؤس تھا۔ اس وقت تک دونوں بڑے سیاسی گروہوں نے اس منصب اعلیٰ کے لیے اپنے اپنے امیدواروں، یوپی اے سے محترمہ پرتبھا پاٹل اور این ڈی اے سے جناب بھیروں سنگھ شیخاوت کے ناموں کا اعلان کردیا تھا۔ ڈاکٹر کلام نے پہلے ہی سے اعلان کردیا تھا کہ وہ اپنی پہلی محبت۔ درس و تدریس کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہیں۔ 2007 کے بعد حالانکہ اس وقت ان کی ہردلعزیزی اپنے عروج پر تھی اور وہ عوام کے جذبات و احساسات کے ترجمان بن چکے تھے۔ نوجوان نسل کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان پر دوسری مدت کار کے لیے کھڑے ہونے کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ عوام، ٹیکسٹ اور ای۔میلوں کے ذریعہ انہیں اپنی رائیں بھیج رہے تھے۔ اخباروں اور ٹیلی ویژن چینلوں نے بھی سروے کرائے تھے جن میں یہ دکھایا گیا تھا کہ 80 سے 90 فیصد لوگ ڈاکٹر کلام کے لیے دوسری

مدت کار چاہتے تھے۔

اپنی پلاننگ کے مطابق چھٹیوں کے لئے میں روانہ ہونے والا ہی تھا کہ اچانک حالات بدلے۔اس وقت کے تیسرے محاذ کے رہنما تھیبروائنٹ پورم میں جمع ہوئے اور اعلان کیا کہ وہ ڈاکٹر کلام کو بحیثیت صدر دوسرے مدتِ کار کے لیے چاہتے ہیں۔تیسرے محاذ کے امیدوار کے طور پر ڈاکٹر کلام کے جیتنے کے امکان نہیں تھے لیکن این ڈی اے نے اشارہ دیا تھا کہ اگر ڈاکٹر کلام مقابلے کا فیصلہ کریں تو وہ شری شیخاوت کی امیدواری کو واپس لینے پر غور کریں گے۔اگر ڈاکٹر کلام مقابلے میں آجائیں تو خود شری شیخاوت مقابلے سے سبکدوش ہونے کے لیے تیار تھے۔اس پر ہنگامہ ہونے لگا۔سیاسی لیڈر تبصرے کرنے لگے۔کانگریس اور کمیونسٹ لیڈر اس اقدام کی سخت تنقید کرنے لگے۔کچھ سیاسی رہنماؤں نے تو یہ تک کہا کہ عہدۂ صدارت ،سروے اور انتخابی قیاس آرائی کی بنیاد پر طے نہیں کیا جا سکتا۔کسی سیاسی لیڈر نے اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا''ڈاکٹر کلام بہت ہردلعزیز ہوسکتے ہیں لیکن وہ ایک میونسپل الیکشن بھی جیت نہیں سکتے۔''میں نے اپنا سفر کا پروگرام منسوخ کر دیا اور فیصلہ لیا کہ اس گھڑی میں ڈاکٹر کلام کے ساتھ نئی دہلی میں ہی رہوں گا۔کیونکہ انھیں ان حالات میں میری ضرورت پڑسکتی ہے۔

20 جون 2007 کو غیر کانگریسی اور غیر بی جے پی سیاسی رہنماؤں کا ایک گروپ شری ملائم سنگھ یادو اور شری چندرا بابو نائیڈو کی قیادت میں ڈاکٹر کلام سے ملاقات کی غرض سے آیا اور ان سے باضابطہ طور پر کہا کہ وہ انھیں اپنا امیدوار بنانا چاہتے ہیں۔ایک دن پہلے ،انھوں نے ڈاکٹر کلام سے ٹیلی فون پر بات کی تھی اور ان سے اپوائنٹ منٹ کی درخواست کی تھی۔ڈاکٹر کلام نے ان سے امکانات کے بارے میں بحث کی اور بتایا تھا کہ وہ مقابلہ صرف اس صورت میں کریں گے جب ان کی جیت یقینی ہو۔وہ اس امید کے ساتھ واپس لوٹ گئے اور انھوں نے کہا کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ وہی جیتیں اور تین دن بعد وہ دوبارہ واپس آئیں گے تا کہ انھیں قائل کرسکیں کہ اگر وہ مقابلہ کریں گے تو جیت سکتے ہیں۔شری جارج فرنانڈس اور شری سدھیندر کلکرنی اس معاملے میں منظر نامے کے پیچھے کارفرما تھے۔اگر ڈاکٹر کلام این ڈی اے اور تیسرے محاذ کے امیدوار کے طور پر مقابلہ آرا ہوتے تو اس ضمن میں کلیدی حمایت بی ایس پی کی طرف سے ملنا

ضروری تھی۔ سیاسی لیڈروں کے ساتھ میٹنگ کرنے کے بعد ڈاکٹر کلام نے اس صورتِ حال کا مطالعہ کرنے کے لیے مجھے بلایا۔ سیکڑوں پریس اور ٹیلی ویژن کے رپورٹرس راشٹر پتی بھون کا موقف جاننے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ میں نے ایک پریس بیانیہ تیار کیا اور صدرِ محترم کو دکھایا۔ لہٰذا میں ہی راشٹر پتی بھون کے باہری دروازے پر میڈیا کو بریف کرنے اور بیانیہ جاری کرنے کے لیے گیا۔ تقریباً تین سو میڈیا کے نمائندے وہاں اکٹھا تھے۔ خبر اگلے دن کی بڑی سرخی بنی اور اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ میں نے بالکل واضح کر دیا تھا کہ ان کا مقابلہ کرنے اور ہارنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ وہ صرف تب ہی الیکشن لڑیں گے اگر ان کی جیت کو یقینی بنایا جائے۔ جب یہ سیاسی رہنما ان کی مطالعہ گاہ میں ان کے ساتھ ملاقات کر رہے تھے اور میں اے ڈی سی روم میں ٹیلی ویژن دیکھ رہا تھا تب ہی ایک بہت اہم واقعہ سامنے آیا۔ لکھنؤ میں ایک پریس کانفرنس منعقد ہو رہی تھی جس کے روحِ رواں شری پریہ رنجن داس منشی تھے۔ جو یو پی اے کی امیدوار محترمہ پرتبھا پاٹل کے چیف الیکشن ایجنٹ تھے۔ اس پریس کانفرنس میں انھوں نے اعلان کیا کہ مس مایاوتی نے جو اس وقت اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ اور بی ایس پی کی سپریمو تھیں، محترمہ پرتبھا پاٹل کے پرچۂ نامزدگی پر دستخط کرتے ہوئے ان کے لیے اپنی پارٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔

میٹنگ کے بعد میں نے حساب کتاب لگایا اور ڈاکٹر کلام کو بتایا کہ اگر پورا تیسرا محاذ اور این ڈی اے مل کر بھی ان کی حمایت کرے تو بھی، ووٹوں کا جوڑ گھٹاؤ، یو پی اے کو بی ایس پی کی حمایت مل جانے پر، انہیں کے امیدوار کے حق میں رہے گا، لہٰذا ان کے جیتنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایک دن پہلے 19 جون کو، اس وقت کے وزیر اعظم منموہن سنگھ نے ان سے ملاقات کی تھی۔ ڈاکٹر کلام نے انہیں تیسرے محاذ کے رہنماؤں کی پیشکش اور بڑی تعداد میں عوام سے ملے ای-میل خطوط کے بارے میں بتایا جس میں ان سے دوبارہ عہدے کی دوڑ میں شامل ہونے کی درخواست کی گئی تھی۔ وزیر اعظم نے ان سے درخواست کی کہ وہ تیسرے محاذ کے لیڈروں کی تجویز پر غور نہ کریں کیونکہ یہ برسرِ اقتدار پارٹی کی آفیشیل امیدوار محترمہ پرتبھا پاٹل کے خلاف مقابلے کے مترادف ہوگا اور یہ امر حکومت کے لیے شرمندگی کا باعث بنے گا۔ چند دیگر کانگریس کے سینئر لیڈروں کو بھی اس بات کی فکر ہو رہی تھی اور وہ بھی ان کی مقابلہ آرائی نہیں چاہتے تھے۔

بالآخر، کیونکہ ہندسوں کا کھیل ان کے حق میں نہیں تھا اس لیے تیسرے محاذ کے رہنما انہیں قطعیت کے عنصر کے بارے میں قائل نہیں کر سکے۔ ڈاکٹر کلام نے جو پہلے بھی پس وپیش میں رہ چکے تھے اب آخر کار مقابلہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے ڈاکٹر کلام کی جانب سے 22 جون 2007 کو ایک بیانیہ جاری کیا کہ وہ راشٹر پتی بھون کو سیاست کا مرکز نہیں بنانا چاہتے۔ اور وہ کوئی پیشکش قبول کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنا مدتِ کار 24 جولائی 2007 کو پورا کر لیا۔ ان کی بحیثیت صدرِ ہند دوسری مدتِ کار پر غور نہ کرنے کی بات پتہ چلنے پر ملک بھر میں بڑا غم و غصہ تھا۔ عوام کے دل ٹوٹ چکے تھے کیونکہ وہ انھیں دوبارہ صدر کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے، حالانکہ وہ لوگ جنھوں نے دوسرا عہدے دار چنا انکے خیالات مختلف تھے۔ ان کی ہردلعزیزی اتنی زیادہ تھی کی میڈیا میں تبصرہ آیا کہ اگر صدر کے عہدے کے لیے راست انتخاب ہوتا تو وہ یقیناً جیت جاتے۔ ایسی رپورٹیں بھی آئیں کہ سیاستدان ان کی ہردلعزیزی سے خائف تھے اور اسی لیے دوسرا مدتِ کار نہیں دیا گیا۔ ملک بھر میں جہاں کہیں وہ جایا کرتے تھے اس عظیم رہنما کی ایک جھلک پانے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگ سڑکوں پر انتظار کیا کرتے تھے۔

وہ سب سے زیادہ ہردلعزیز، راست گو، غیر جانبدار اور دور اندیش صدر مانے گئے۔ در حقیقت، آزاد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی صدرِ ہند کو 'پیپلس پریزیڈنٹ' یعنی ''عوام الناس کے صدر'' کا لقب دیا گیا۔ عوام نے انھیں ہندوستان کی اگلی نسلوں کے لیے ایک 'آدرش پرش' کا درجہ دیا تھا۔ وہ نوجوان طبقے کے لیے ایک 'مورت' تھے۔ اپنی مدتِ کار میں انکی توجہ کا محور ہندوستان کو 2020 تک ایک ترقی یافتہ ملک بنانا تھا۔

3 جولائی 2007 کو ممبرانِ پارلیمنٹ نے سینٹرل ہال میں ان کے اعزاز میں الوداعی تقریب منعقد کی۔ انھوں نے اس موقع پر ''2020 تک ہندوستان کی شبیہہ'' کا نقشہ پیش کیا اور اراکینِ پارلیمنٹ کو ہندوستان کی تعمیر و تشکیل کے لیے کام کرنے کی تلقین کی:

1۔ ایک ایسا ملک جہاں دیہی و شہری خلیج پاٹ کر محض ایک باریک لکیر رہ جائے۔

2۔ ایک ایسا ملک جہاں توانائی کی مساوی تقسیم اور مناسب فراہمی ہو اور شفاف پانی دستیاب ہو۔

3۔ ایک ایسا ملک جہاں زراعت، صنعت اور محکمۂ خدماتِ عامہ، بڑی ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں۔

4۔ ایک ایسا ملک جہاں کسی بھی قابل امیدوار کو اعلیٰ اقدار کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں سماجی اور معاشی امتیازات کے سبب کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

5۔ ایک ایسا ملک جو سب سے زیادہ ذہین عالموں، سائنسدانوں اور سرمایہ کاروں کا گہوارہ ہو۔

6۔ ایک ایسا ملک جہاں سبھی کے لیے صحت کی دیکھ بھال کے بہترین وسائل موجود ہوں۔

7۔ ایک ایسا ملک جہاں نظم و نسق جواب دہ ہو، شفاف ہو اور بدعنوانی سے پاک ہو۔

8۔ ایک ایسا ملک جہاں افلاس پوری طرح سے اکھاڑ پھینکا جا چکا ہو، ناخواندگی کا خاتمہ ہو چکا ہو، عورتوں اور بچوں کے خلاف جرائم عدم موجود ہوں اور سماج میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس نہ کرے

9۔ ایک ایسا ملک جو خوشحال ہو، تندرست ہو، محفوظ ہو، دہشت گردی سے پاک ہو، پُر امن ہو، شادماں ہو اور پائیدار ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

10۔ ایک ایسا ملک جو رہائش کا بہترین مسکن ہو اور پارلیمنٹ، ریاستی مجلسِ قانون ساز اور دیگر قومی اداروں میں تخلیقی اور موثر رہنمائی کی بنیاد پر اپنے رہنماؤں کی قیادت پر فخر کرے۔

انھوں نے اراکینِ پارلیمنٹ کے سامنے بڑے جذباتی انداز سے تقریر کی اور اس کی خاطر خواہ پذیرائی بھی ہوئی۔ انھیں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ استقبالیہ دیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ 21ویں صدی کی مستقبل کی قیادت کی تعمیر و تشکیل میں انہیں اپنا ایک بڑا کردار نبھانا ہے۔ ساتھ ہی ملک کے نوجوانوں میں مشنری اُمنگ بیدار کر کے توانائی اور وقار کے ساتھ ہمارے عوام میں خوشحالی لانا اور معیارِ زندگی میں اضافہ کرنا ہے۔

24 جولائی 2007 کو انھوں نے پبلک براڈ کاسٹر دوردرشن پر ہندوستان کی عوام سے اپنے مخصوص اندازِ بیان میں خطاب کیا۔ ایک بار پھر انھوں نے ہندوستان کی ترقی کے اپنے موقف اور اس موقف کے حصول کے سلسلے میں ہندوستان کی عوام پر اپنے بھروسے اور یقین کو دہرایا۔ بطور صدر

ہندوستان کی عوام سے اپنے آخری خطاب میں انہوں نے راشٹر پتی بھون کے اپنے پانچ سالہ خوبصورت اور ہنگامہ خیز عرصۂ کار کے بارے میں دس پیغامات بیان کیے۔ڈاکٹر کلام نے کہا کہ انھوں نے اپنے ملک کے اُن لوگوں کے ساتھ جڑ کر اپنے آپ کو مالا مال محسوس کیا ہے جو مختلف شعبہ ہائے حیات سے وابستہ رہے ہیں جیسے سیاست، سائنس، ٹکنالوجی، تعلیم، فنون، ادب، کاروبار، عدلیہ، نوکر شاہی، خصوصی بچے، ذرائع ابلاغ اور ایسے ہی دیگر میدانات۔علاوہ ازیں، ان کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل وہ نوجوان اور طلبا ہیں، جنھیں وہ اپنے ملک کے مستقبل کا سرمایہ کہتے تھے۔

ڈاکٹر کلام نے ترقی میں تیز رفتاری پیدا کرنے کے لیے دس ناگزیر باتیں بتائیں۔ملک کے نوجوانوں کی ایک ترقی یافتہ ملک میں رہنے کی تمناؤں کو پورا کرنا، گاؤں کو خود کفیل اور قوی بنانا، جذبۂ مسابقت بیدار کرنے کے لیے دیہاتوں میں بنیادی قابلیت متحرک کرنا، زراعتی ترقی کے لیے بنیادی کام کے طور پر غذا کے لیے بیج کی فراہمی کا پورا نظام تشکیل دینا، مسائل کو شکست دینا اور کامیابی حاصل کرنا، شراکت داری کے ذریعہ مسائل پر قابو پانا، قدرتی آفات سے نپٹنے کے لیے تیاری رکھنا اور اس کے لیے حوصلہ مندر رہنا۔سماجیاتی بدلاؤ کے لیے ربط کاری نظام کو فروغ دینا، ملک کے دفاع کو وہ اپنا فخر سمجھتے تھے اور آخر میں 2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان کے لیے نوجوانوں کی ایک تحریک کا آغاز کرنا۔

ڈاکٹر کلام نے کہا کہ انکے عہدِ صدارت کے پانچ سال کے دوران انھیں بہت سی فوجی ٹکڑیوں کی سلامی لینے کا موقع ملا اور کئی پاس آؤٹ پریڈوں میں شرکت کرنے کا موقع بھی ملا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ایسے فوجیوں سے بھی ملے جو امن کی مہمات پر روانہ ہو رہے تھے۔اور انھوں نے ہمارے دفاعی افرادِ کار کے خاندان کے اراکین سے گفتگو کی۔انھوں نے کہا: ”ملک اپنی دفاعی طاقت کی دلیری، وابستگی اور اپنے فرائض کے تئیں ان کے جذبۂ ایثار کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے۔“

انھوں نے اپنی تقریر کے اختتام پر یوں کہا: ”میں ہندوستانی منظرنامے میں موجود تنوع سے ہمارے ملک کی وسیع سرزمین میں جو جذباتی ہم آہنگی اور ثقافتی تکثیریت اور اذہان کا اتحاد پایا جاتا

ہے،اس سے بڑا متاثر ہوں۔ میں نے یہ مثالیں اس لیے دی ہیں تا کہ ہماری روایت کی بوقلمونی کی خاطر اور اس کی حفاظت کے لیے مختلف اداروں نے سعی مسلسل کی ہے،اس کی ایک جھلک دکھا سکوں۔ جس کسی سے بھی میں ملا، ہر ایک نے مجھ سے دریافت کیا کہ وہ ملک کے لیے کیا دے سکتا ہے۔ ہمیں سماج کے ایسے اراکین کو مضبوط بنانے کے لیے جہد مسلسل کرنا چاہیے۔ اسی نکتے کے ساتھ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ ہم سیدھے راستے پر چل رہے ہیں۔"

19 جولائی 2007 کو انکی آخری عوامی تقریب میں انھوں نے انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر، نئی دہلی کے اراکین اور عملے سے خطاب کیا۔ وہاں انھوں نے اعلان کیا کہ وہ راشٹر پتی بھون، 2002 میں دو سوٹ کیس اور کچھ کتابیں لیکر آئے تھے اور انھیں دو سوٹ کیسوں کے ساتھ وہ وہاں سے واپس چلے جائیں گے۔ ان کا یہ بیان ذرائع ابلاغ نے بڑی اہمیت کے ساتھ نشر کیا اور ان کی سادگی، شرافت اور بے خطا سالمیت کی چوطرفہ تعریف وتوصیف ہوئی۔

اس کے بعد 24 جولائی 2007 کا دن آیا۔ یہ وہ گھڑی تھی کہ جب ڈاکٹر کلام کو وداع ہونا تھا۔ ہندوستان کی نئی صدر جمہوریہ محترمہ پرتبھا پاٹل کے ہمراہ وہ راشٹر پتی بھون چھوڑ کر نئی دہلی کینٹ کے ایک آرمی گیسٹ ہاؤس کے لیے روانہ ہوئے جو کہ اگلے چند ماہ کے لیے ان کی رہائش گاہ بننے والا تھا، کیونکہ 10، راجہ جی مارگ، نئی دہلی پر انکا نیا بنگلہ زیر تجدید کاری تھا۔ دیر شام کو وہ چینئی میں انا یونیورسٹی کے لیے پرواز کر گئے جہاں وہ ہندوستان کے صدر بننے سے قبل درس وتدریس میں مشغول تھے۔

ممتاز ہندوستانی قانون داں اور سفارت کار ڈاکٹر ایل ایم سنگھوی نے روز نامہ "دی ٹریبیون" میں "ویلکم سٹیزن کلام" بمعنی "خوش آمدید شہری کلام" کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا:

"صدر کلام اپنی دانشورانہ صلاحیتوں اور امتیازی انسانی اوصاف کی بنا پر ملک گیر زبردست واہ واہی اور پُر خلوص ستائش کے بیچ اپنا مدت کار پورا کر رہے ہیں۔ ایک شاندار صدارتی دور جلد ہی ان کے پیچھے چھوٹ جائے گا۔ ایک 'عوام الناس کے صدر' کی حیثیت سے ہمیشہ وہ یاد رکھے جائیں گے۔ وہ اس شاندار عمارت کے قابلِ تعظیم عہدے پر نہایت بے لوث انداز میں بغیر کسی ذاتی مفاد کے بے شمار امتیازی خوبیوں کے ساتھ جلوہ افروز رہے۔

وہ جب اس عہدے پر آئے تو انھیں سیاسی اور آئینی باریکیوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور ان سے ایک آدھ ناخوشگوار واقعے کے علاوہ کبھی کوئی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔ معصومیت اور عاجزی اس آدمی کی خاص پہچان رہی۔ ان کے پُر جوش دل اور تیز طبع ذہن نے لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے ایک خاص جگہ بنالی تھی۔

ایک صدر جب سبکدوش ہوجاتا ہے تو کیا کرتا ہے؟ کلام فعال ہیں اور صحت مند بھی۔ مجھے ان میں ملک کے ضمیر اور معاشرتی زندگی کی آواز بلند کرنے کا کام نظر آتا ہے۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ وہ پڑھائیں گے اور لکھیں گے بھی۔ وہ تو انہیں کرنا ہی ہے لیکن ہماری عوامی زندگی میں چال باز اور سازشیں رچنے والے سیاست دانوں کی قابلِ ملامت گفتگو کے شور وغل سے بالاتر ان کی آواز ہمیشہ سنائی دیتی رہنا چاہیے۔ اس کی روحانی اور اخلاقی قوتیں ہندوستان کو جگانے میں اور اس کے روحانی، ثقافتی اور سماجی خوابوں کی تعبیر میں صرف ہونا چاہیے۔ ملک کو کلام کا سا تحمل اور ہوش مندی کی ضرورت ہے۔ وہ ایک سادگی پسند اور ریاضت کش شہری تھے۔"

وطن کی خیر سگالی کے بین الاقوامی سفیر

(الف) بیرونی ممالک کے دورے

صدارت کے پہلے سال کے دوران ڈاکٹر کلام نے کوئی غیر ملکی دو،ہ نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے سال میں وہ لوگوں کے مسائل کو سمجھنے کے لیے پورے ملک میں جائیں گے، خاص طور سے دیہی علاقوں میں۔ وزارت برائے امور خارجہ نے ان سے بیرونی ممالک کے دورے شروع کرنے کی درخواست کی تھی کیونکہ کئی باہمی تعلقات کے ضمن میں ضروری جوابی دورے التوا میں تھے۔ آخرکار اکتوبر 2003 میں انھوں نے بیرونی دورے پر جانے کا ارادہ کرلیا۔

وزارت برائے اُمور خارجہ نے کئی مشورے دیے۔ لیکن ڈاکٹر کلام نے متحدہ عرب امارات (یو اے ای)، سوڈان اور بلغاریہ کو اپنے پہلے دورے کے لیے منتخب کیا تھا اور ہر ملک کو انھوں نے کسی سبب سے چنا تھا۔

بحیرۃ العرب میں ہمارے پڑوسی متحدہ عرب امارات میں ہندوستانیوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ جنھوں نے وہاں کی قومی تعمیر میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اور وہاں کی آبادی کے 25 فیصدی لوگ انھیں پر مشتمل ہیں۔ متحدہ عرب امارات ایک جدید تیل برآمد کرنے والا ملک ہے

جس کی متنوع معیشت ہے۔باہمی تعاون کو بڑھاوا دینے کی سمت میں اور ہندوستان میں سرمایہ کاری کوراغب کرنے کے لیے یہ ان کے بیرونی ممالک کے دورے میں پہلی پسند تھی۔

افریقی ملکوں میں سب سے بڑا ملک،سوڈان ہے جس میں عربی النسل لوگوں کی بڑی آبادی ہے۔یہ ملک اپنی تاریخ کے لیے اور دریائے نیل کے لیے جانا جاتا ہے۔یہ دریا کئی ملکوں سے گزرتا ہے۔ہندوستان کے کسی بھی صدر نے اس ملک کا دورہ نہیں کیا تھا۔بلغاریہ،اس لیے کہ یورپین ممالک کے سفر کرنے سے پہلے وہ ایک مشرقی یورپی ملک کا دورہ کرنا چاہتے تھے۔علاوہ ازیں،بلغاریہ نے اپنے محدود وسائل کے باوجود،سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں قابلِ تعریف کام کیا تھا۔

19 اکتوبر 2003 کو سات روزہ دورہ شروع ہوا۔ان کے ہمراہ اُرون شوری، جو اس وقت ارتداد سرمایہ،مواصلات اور معلوماتی ٹکنالوجی کے مرکزی وزیر تھے اور رکن پارلیمنٹ سریش پربھو جو اس وقت حکومتِ ہند میں وزیرِ ریل ہیں اور مس سرلا مہیشوری تھیں۔ڈاکٹر کلام کو ابوظہبی ہوائی اڈے پر ولی عہد شیخ خلیفہ بن زاید النہیان کی رہنمائی میں جملہ کابینہ نے استقبال کیا۔شاہ شیخ زاید النہیان بانی مبانی متحدہ عرب امارات،ان دنوں سخت بیمار تھے۔ڈاکٹر کلام نے متحدہ عرب امارات کی کابینہ کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں باہمی تعاون کے اہم معاملات پر گفتگو ہوئی۔ بعد میں اپنے دبئی کے دورے کے دوران،ڈاکٹر کلام نے دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المختوم سے بڑی مفید گفتگو کی۔ڈاکٹر کلام کا یہ یواے ای کا دورہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔انھوں نے حکمرانوں سے ذاتی میل جول قائم کیا،جس کے نتیجے میں متحدہ عرب امارات کے ساتھ باہمی تعلقات میں بہتری آئی۔صدر کلام کے اس دورے کے بعد ہندوستان سے متحدہ عرب امارات کی مواصلاتی ٹکنالوجی کی برآمدات میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔وہاں ایک معزز سائنسداں اور مدبر کے طور پر ان کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ڈاکٹر کلام نے وہاں ہندوستانی کمیونٹی سے بھی ملاقات کی جو بڑی تعداد میں وہاں پہنچی تھی اور انھوں نے ہوٹل میں ان لوگوں سے خطاب بھی کیا۔یہ ملاقات ہندوستانی سفارت خانے اور متحدہ عرب امارات کے دو معروف این آر آئز (غیر رہائشی ہندوستانی) محترمی یوسف علی ایم اے اور شری بی آر شیٹی کے تعاون سے منعقد کرائی گئی تھی۔ جو وہاں ہندوستانیوں کی بڑی تعداد کو روزگار دلوانے کا کام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر کلام دبئی میں جی ٹیکس (گلف ٹیلی کمیونیکیشن ایگزیبیشن) 2003 (خلیجی مواصلاتی ٹکنالوجی 2003 کی نمائش) دیکھنے بھی گئے۔ یہ مشرقِ وسطیٰ کی مواصلاتی ٹکنالوجی پر مبنی سب سے بڑی اور سب سے اہم نمائش ہے۔ ڈاکٹر کلام نے وہاں انڈین ہائی اسکول اور برلا انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی اینڈ سائنس کے طلبا سے خطاب کیا۔

نومبر 2004 میں ڈاکٹر کلام کا متحدہ عرب امارات کا دوسرا دورہ ابوظہبی کے سلطان اور متحدہ عرب امارات کے بانی شیخ زاید بن سلطان النہیان کی رحلت پر تعزیت کے لیے ہوا۔ انھوں نے شاہ کی تدفین میں شرکت کے لیے ایک ہندوستانی وفد کی قیادت کی جس میں دو مرکزی وزیر محترم ای احمد اور شری پرتھوی راج چوہان شامل تھے۔ انھوں نے وہاں بادشاہ زاید کے بیٹے شیخ خلیفہ اور دیگر خاندان کے افراد سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر کلام نے وہاں یونائیٹڈ کنگڈم (انگلینڈ) کے ولی عہد شہزادہ چارلس سے بھی مختصر گفتگو کی جو اتفاق سے اسی کمرے میں تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر کلام نے متحدہ عرب امارات کی تجدید و تعمیر میں بادشاہ زاید کی سرگرمیوں کو یاد کیا۔ وہ متحدہ عرب امارات کی تعمیر و تجدید کاری کے روحِ رواں اور پہلے صدر تھے۔ اس منصب پر وہ 33 برس تک رہے۔

صدر کلام کا سوڈان کا سفر ہندوستان و سوڈانی باہمی تعلقات کی تاریخ میں اہم اور قابلِ ذکر واقعہ تھا۔ وہ پہلے ہندوستانی صدر تھے جو سوڈان کے دورے پر گئے۔ یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ سوڈان کے پاس تیل کے کچھ بڑے ذخیرے موجود ہیں اور وہاں تیل کی تلاش میں او این جی سی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ او این جی سی کو 2003 میں ڈاکٹر کلام کے دورے سے چند ماہ قبل ہی اس سلسلے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ جب اس نے سوڈان کے عظیم تر دریائے نیل پروجیکٹ میں کینیڈیائی کمپنی سے 25 فیصدی حصہ داری خرید لی تھی۔ اس بات کے مدِ نظر، صدر کا دورۂ سوڈان زیادہ اہمیت کا حامل مانا گیا، جو سوڈان میں تیل کے ذخائر کی تلاش میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا مظہر بن گیا تھا۔

22 اکتوبر 2003 کو سوڈان کی پارلیمنٹ کو خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے دونوں ممالک کے سرکاری اور نجی اداروں کے درمیان مضبوط تر بندھن بنانے پر زور دیا، تاکہ دونوں ملکوں کے عوام میں خوشحالی اور شادمانی پیدا ہو سکے۔

وہاں کے اسپیکر کے ذریعہ ڈاکٹر کلام کا پارلیمنٹ میں ان کے پورے نام کے ساتھ تعارف کرایا گیا تھا۔لیکن ان کے نام کو ذرا بدل کر پیش کیا گیا اور ایوان کے اسپیکر نے دعویٰ کیا کہ ان کا صحیح نام یہ ہے۔انھوں نے انھیں اوّل فاخرزین العابدین عبدالکلام (اے۔ایف۔زیڈ۔عبدالکلام) اور نہ کہ اوّل پاکرجین العابدین عبدالکلام (اے پی جے عبدالکلام) جو کہ ان کا آفیشیل نام تھا۔اسپیکر نے دعویٰ کیا کہ یہ بنیادی طور پر عربی زبان کا نام ہے اور صحیح معنوں میں ان کے نام میں ''فاخر'' اور ''زینالعابدین'' ہونا چاہیے۔پارلیمنٹ سے خطاب سے پہلے کی رات میں صدر کلام نے دریائے نیل پر ایک نظم لکھی جس کا عربی زبان میں سوڈانی حکومت کے ایک وزیر نے ترجمہ کیا تھا۔صدر نے اپنے خطاب کے دوران اس نظم کو پڑھا۔انھوں نے اس نظم کے توسط سے دو پیغامات دیے۔ایک ''پانی کی اہمیت'' کے بارے میں جو سفید و نیلگوں دریائے نیل کی شکل میں نو ملکوں سے گزرتا ہے اور دوسرا ''انسانی دلوں کے سنگم'' کے بارے میں ہے۔نظم کچھ اس طرح تھی:

اے سپید و نیلگوں ساحلِ دریائے نیل
تم مبہم ہو
خدائے بزرگ و برتر نے تمھیں سونپا ہے اک پیغامِ خاص
تم وہ پیغامِ محبت عام کر دو
جب ندی کے ڈیلٹے بنا سکتے ہیں سنگم
تو اے بنی نوعِ انساں، تم کرو تعمیر سنگم، انسانی دلوں کے
اور خوشی سے کھل اٹھو

جیسے ہی انھوں نے سوڈانی پارلیمنٹ میں اپنی تقریر مکمل کی، اراکین نے کھڑے ہو کر اور تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ڈاکٹر کلام کو دادِ تحسین پیش کیا۔اراکینِ پارلیمنٹ نے اس ملاقات کو اپنی زندگیوں کا کبھی نہ بھلا پانے والا واقعہ قرار دیا۔ڈاکٹر کلام نے صدر البشیر کی قیادت میں سوڈانی کابینہ کے ساتھ باہمی گفتگو کی۔یہ ان کے لیے ایک چونکانے والا لمحہ تھا۔جب انھیں پتہ چلا کہ اس کابینہ کے آدھے لوگوں نے ہندوستان ہی میں تعلیم پائی ہے۔اور وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور دہلی یونیورسٹی کے سابق طلبا رہے ہیں۔ایک زمانہ تھا جب سوڈان سے طالب علم بڑی تعداد

میں حصول علم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی آیا کرتے تھے۔صدر کلام نے ان وزیروں سے مجھے متعارف کراتے ہوئے کہا،''میری ٹیم میں بھی ایک افسر ہیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں۔'' وزیروں نے میرے ساتھ اے ایم یو کیمپس کی اور دہلی میں ان کی زندگی کے واقعات کی یادیں تازہ کیں۔

23 اکتوبر 2003 کو جب ڈاکٹر کلام صوفیہ پہنچے جو کہ بلغاریہ کا تاریخی شہر اور دارالخلافہ تھا۔وہاں صدر جارجی پروانوف نے ان کا خیر مقدم کیا۔بعد میں وہ صوفیہ یونیورسٹی بھی تشریف لے گئے اور وہاں طلبا کو خطاب کیا۔اس یونیورسٹی میں 1983 سے انڈولوجی کا ایک شعبہ بھی قائم تھا۔انھیں بتایا گیا کہ یہاں ہندوستانی ثقافت،تبھی سے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھی جاتی رہی ہے،جب 1926 میں رابندر ناتھ ٹیگور نے بلغاریہ کا دورہ کیا تھا۔

ڈاکٹر کلام کو ریاضی،طبیعات اور کمپیوٹر ہارڈ ویئر میں بلغاریہ کی قوت کے بارے میں اس وقت سے ہی پتہ تھا جب وہ ڈی آر ڈی او میں کام کر رہے تھے۔انھوں نے اپنے صدر بہ ہم منصب و دیگر وزرا سے دونوں ملکوں کے مابین،خصوصاً سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بڑے پیمانے پر تعاون کے ضمن میں مفصل بات چیت کی۔

دوسرے دن ڈاکٹر کلام نے بلغاریہ کی مشہور زمانہ ریلا موناسٹری کا دورہ کیا۔وہاں ان کی بیشپ جون کے ساتھ بلغاریہ کے تاریخی،مذہبی اور ثقافتی ورثے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ریلا کے ہرمٹ سینٹ آئی واں نے یہ موناسٹری تعمیر کرائی تھی۔

ڈاکٹر کلام نے اپنے ہمراہ،ذرائع ابلاغ کے وفد کے ساتھ،صدارتی جہاز میں میڈیا کے لیے مقررہ حصے میں،دوبارہ ملاقات کی۔یہ ان کے اور اراکین ذرائع ابلاغ کے درمیان آزادانہ تبادلۂ خیالات کا موقع تھا۔میں نے انھیں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کا جو پرنٹ اور الیکٹرانک دونوں میڈیا سے تعلق رکھتے تھے اور جو ملک کی بڑی زبانوں کی نمائندگی کر رہے تھے،ہر ایک کا انفرادی طور پر تعارف کرایا۔میڈیا کے ہر فرد نے ان کے ساتھ اپنا فوٹو کھنچوایا اور اپنے بچوں کے لیے ان کے دستخط شدہ کارڈس لیے۔

انھوں نے میڈیا کے ہر ایک اہلکار کو،اس ٹور پر ملنے والے تجربات اور مشاہدات پر ایک صفحے

کا خاکہ لکھنے کا کام سونپا۔ڈاکٹر کلام اپنے سبھی بیرونی ممالک کے اسفار میں میڈیا کے وفد سے یہ اسائنمنٹ کرواتے تھے۔ڈاکٹر کلام نے دہلی واپس آنے پر اپنے سفر کے بارے میں وزیر اعظم کو بریف کیا۔

تنزانیہ اور جنوبی افریقہ

ڈاکٹر کلام 11 ستمبر 2004 کو تنزانہ کی راجدھانی دار السلام پہنچے۔یہ ان کا تنزانیہ اور زنجبار کا پہلا صدارتی دورہ تھا۔اس ملک میں 19 ویں صدی میں گجراتی صنعت کاروں کی آمد کے سلسلے کے ساتھ اہلِ ہند کی یہاں ایک بڑی لمبی تاریخ ہے۔جولیس نئیر یرے کی قیادت نے اس ملک کو متحد کرنے اور پُر امن راستہ اختیار کرنے میں بڑی مدد کی۔صدر ڈاکٹر کلام کی یہاں کے صدر بینجامن مُکاپا کے ساتھ بڑی سود مند بات چیت ہوئی جس میں بہت سے باہمی دلچسپی کے معاملات پر بحث ہوئی۔ڈاکٹر کلام کے ساتھ اس وقت کی مرکزی وزیر برائے سماجی انصاف محترمہ میرا کمار بھی آئی ہوئی تھیں۔

12 ستمبر کو صدر کلام زنجبار کے بحیرۃ الجزائر تشریف لے گئے۔وہاں ہوائی اڈے پر زنجبار کے صدر امانی عبید کارومی نے ان کا پُر جوش استقبال کیا۔ 21 توپوں کی سلامی اور گارڈ آف آنر کی رسم کے بعد ڈاکٹر کلام کو ملک کے ثقافتی گروپوں نے روایتی انداز میں شاندار استقبالیہ دیا۔

تنزانیہ اور زنجبار کے دورے مکمل کرنے کے بعد صدر کلام جنوبی افریقہ کے لیے روانہ ہوئے جہاں ان کا پہلا قیام کیپ ٹاؤن میں تھا۔کیپ ٹاؤن اپنے مسطح پہاڑی سلسلے کے لیے مشہور ہے۔اس کی تین اہم چوٹیاں ہیں۔جن کے نام ٹیبل پیک،ڈیول پیک اور فیک پیک ہیں۔یہ چوٹیاں بڑا خوبصورت نظارہ پیش کرتی ہیں۔ڈاکٹر کلام نے بڑے خوبصورت نظارے کی طرف اشارہ کیا جہاں کبھی کالے گہرے اور کبھی کبھی سفید بہتے بادل پورا دن ان چوٹیوں کو اپنی آغوش میں لے رہے تھے۔

ڈاکٹر کلام نے 16 ستمبر 2004 کو جوہانس برگ (جنوبی افریقہ) کی پین افریقی پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے افریقی یونین کے سبھی ترپن ملکوں کو سیٹیلائٹ اور فائبر آپٹک نیٹ ورک سے ملانے کے آئیڈیہ کا اعلان کیا۔انھوں نے یہ اعلان کرنے سے پہلے اس وقت کے وزیر اعظم منموہن سنگھ سے جوہانس برگ سے ٹیلی فون پر بات کر کے اس پروجیکٹ کے لیے ان کی

رضا مندی لے لی تھی۔جس میں 100 ملین ڈالرس کا خرچ آسکتا تھا۔پین افریقی پارلیمنٹ کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سے پورے افریقہ میں ٹیلی ایجوکیشن، ٹیلی میڈیسن، انٹر نیٹ اور ویڈیو کانفرنسنگ کے لیے موثر مواصلاتی نظام قائم ہو سکے گا۔افریقی میڈیا میں دوسرے دن یہ ایک بڑی خبر ثابت ہوئی۔پین افریقی ای نیٹ ورک پروجیکٹ، جس کا باضابطہ 26 فروری 2009 میں افتتاح کیا گیا تھا جو آج بھی کامیابی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔یہ پروجیکٹ سماجیاتی وابستگی کے بین الاقوامی باہمی امداد و تکمیل کی ایک زندہ مثال ثابت ہوا ہے۔

ان کے اس سفر کا ایک اور سنگِ میل جوہانس برگ میں نیلسن منڈیلا کے گھر میں ان سے تاریخی نوعیت کی ملاقات تھی، جن کی اپنی برادری کی آزادی اور رنگ و نسل کی تفریق کے خلاف ایک پُر امن تحریک ڈاکٹر کلام کے لیے عرصۂ دراز سے باعثِ کشش رہی تھی۔یقیناً یہ ایک یادگار موقع تھا۔منڈیلا کی صحت اس وقت ٹھیک نہیں تھی۔ڈاکٹر کلام نے اس جگہ تک چلنے میں انھیں سہارا دیا جہاں ان کے گھر میں میڈیا اور دوسرے لوگ، دونوں ممالک کے سربراہان سے ملاقات کے منتظر تھے۔اس میٹنگ میں اور اس کے بعد دونوں سربراہان کے ساتھ ہونے والی میڈیا کی میٹنگ میں وہاں خود میں بھی موجود تھا۔یہ ایک ایسا تجربہ تھا کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ڈاکٹر کلام نے منڈیلا سے کہا کہ گاندھی جی جولائی 1914 میں جنوبی افریقہ سے بذریعہ بحری جہاز انگلینڈ ہوتے ہوئے ہندوستان آنے کے لیے سفر پر نکل گئے اور 1915 میں انھوں نے ملک میں آکر برٹش راج کے خلاف جدوجہدِ آزادی کی قیادت کی۔اکیس برس جو گاندھی جی نے جنوبی افریقہ میں گزارے وہ ان میں بدلاؤ لانے کا اور ان کے فلسفۂ حیات کو ایک تناظر بخشنے کا وسیلہ بنے۔

پین افریقی پارلیمنٹ سے خطاب اور نیلسن منڈیلا سے ملاقات کے علاوہ ان کے پروگرام کی دوسری خاص بات ایک خصوصی ٹرین سے پیٹر مارٹزبرگ کا دورہ تھا، جہاں انھیں گاندھی جی کے تاریخی سفر کے نشانات دیکھنے جانا تھا۔

7 جون 1893 کو ڈربن اسٹیشن سے مہاتما گاندھی ٹرین کے سفر کے لیے چڑھے تھے، جس نے ان کی زندگی بدل کر رکھ دی۔وہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سفر کر رہے تھے جب ایک

گورے مسافر نے، جو دو افسروں کے ساتھ آیا تھا، انھیں وین کپارٹمنٹ میں چلے جانے کو کہا۔ جب گاندھی جی نے اسے انکار کیا تو انھیں ٹرین سے باہر نکال دیا گیا۔ گاندھی جی نے پیٹر مارز برگ کے اسٹیشن پر رات گزاری۔ انھوں نے جنوبی افریقہ میں ہی رکنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ رنگ ونسل کے خلاف لڑ سکیں۔ گاندھی جی نے بعد میں کہا تھا: ''اسی دن سے میرا فعال عدم تشدد شروع ہوا۔''

جب ڈاکٹر کلام اسٹیشن پر آئے تو بڑی تعداد میں مقامی لوگوں کے ساتھ ہی قومی اور بین الاقوامی میڈیا ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ صحافیوں نے انھیں گھیر لیا تھا جو جاننا چاہتے تھے کہ گاندھی جی کے ڈربن سے پریٹوریا کے سفر کی نقل کرتے ہوئے، اس سفر میں انھیں کیسا محسوس ہوا؟ ایک برطانوی صحافی کے پہلے ہی سوال سے ڈاکٹر کلام الجھن میں پڑ گئے۔ اس نے کہا: ''مسٹر پریزیڈینٹ، آپ یہاں گاندھی جی کے مشہور زمانہ سفر کی یاد تازہ کرنے کے لیے اور انھیں خراجِ تحسین ادا کرنے کے لیے آئے ہیں لیکن ہندوستان بابائے قوم کو بھول چکا ہے۔''

چند ساعتوں تک خاموش رہنے کے بعد، انھوں نے جواب دیا: ''گاندھی جی ملک کے ذہن وروح کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں، انھوں نے اس ملک میں، نسلی عصبیت کے خلاف تحریک چلائی اور اپنی جدوجہد کو ہندوستان میں جاری رکھا اور عدم تشدد کی تحریک سے آزادی دلائی۔ آج صبح میری ملاقات کے دوران مسٹر نیلسن منڈیلا نے کہا تھا کہ گاندھی جی جنوبی افریقہ، ایک دیانت دار بیرسٹر کے طور پر آئے تھے اور ہم نے انھیں مہاتما بنا کر واپس ہندوستان بھیجا۔ جنھوں نے بعد میں اُس عظیم ملک کے لیے آزادی حاصل کی۔ ہر ہندوستانی ان کا مقروض ہے اور دائمی طور پر رہے گا۔'' ڈاکٹر کلام نے اس سوال کو بڑی سنجیدگی سے لیا اور مجھے بعد میں اس رپورٹر کو تفصیل سے گاندھی جی اور ان کے اُصولوں کی آج کے ہندوستان میں موزونیت کے بارے میں بریف کرنے کی ہدایت دی اور یہ بھی کہا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہیں گے۔

شام میں، ان کے اعزاز میں ایک بڑے پیمانے پر ٹاؤن ہال میں استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر بولتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے پیٹر مارز برگ کے اپنے دورے کو ''تیرتھ یاترا'' سے تشبیہ دی۔ ڈاکٹر کلام اور ان کے قافلے کے لوگوں نے روبین آئیلینڈ کا بھی سفر کیا جہاں نیلسن منڈیلا اور ان کے ساتھیوں کو چھبیس سال تک قید میں رکھا گیا تھا

۔وہاں ان کا خیر مقدم احمد کاثرادا نے کیا جو جنوبی افریقہ سے تعلق رکھتے تھے اور جنھیں منڈیلا کے ساتھ بقید رہنے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے قید و بند کے دوران منڈیلا نے ایک کتاب قلمبند کی تھی جس کا عنوان ''لانگ واک ٹو فریڈم'' تھا۔ جسے عالمی شہرت یافتہ کتاب کا درجہ حاصل ہے۔

روس، سوئٹزرلینڈ، آئیس لینڈ اور یوکرین کے دورے

ڈاکٹر کلام کے دوسرے غیر ممالک کے دوروں میں ان کے چار ملکوں روس، سوئٹزرلینڈ، آئیس لینڈ اور یوکرین کے مئی 2005 کے دورے شامل ہیں۔ یہ تیرہ دنوں پر مبنی ٹور تھا۔ جس میں سب سے پہلے وہ ماسکو پہنچے۔ صدر کلام نے روسی فیڈریشن کے صدر ولادیمیر پوتن کے ساتھ لمبی گفتگو کی۔ وہ روس کے اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر میخائیل فرادکو سے بھی ملے۔ ڈاکٹر کلام وہاں کی اکیڈمی آف سائنس اور این پی او مشینوسٹروینیا بھی گئے جو برہموز ایروا سپیس کمپنی میں مشترکہ سرگرمیوں کے شریک کار تھے۔ انھوں نے وہاں کے سائنسدانوں سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ان کے ساتھ مرکزی وزیر جگدیش ٹائٹلر اور دیگر اراکین پارلیمنٹ بھی شریک تھے۔

25 مئی 2005 کو وہ سینٹ پٹس برگ گئے جو روس کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ ڈاکٹر کلام کو روسی ٹکنالوجی اور سائنسی کاموں میں خصوصی دلچسپی تھی۔ یہاں ان کی ملاقات گورنر سے اور لیزر ٹکنالوجی انسٹی ٹیوٹ اور آرکٹک اور انٹارکٹکا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سائنسدانوں سے ہوئی۔

بہار اسمبلی کے تحلیل کیے جانے کے اعلامیہ پر دستخط، جیسا بڑی سیاسی اہمیت کا حامل واقعہ، ان کے ماسکو قیام کے دوران ہی پیش آیا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ سینٹ پیٹرس برگ سے صدر کلام سوئٹزرلینڈ کے لیے روانہ ہوئے۔ تین دہوں کے بعد کسی ہندوستانی صدر کا سوئٹزرلینڈ کا یہ پہلا دورہ تھا۔ سائنس اور ٹکنالوجی ہی اس دورے کا محور رہا۔ سوئٹزرلینڈ میں صدر محترم کے اعزاز میں اور ان کی آمد کو یادگار بنانے کے لیے 26 مئی کو یوم سائنس کے طور پر منانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ وہ چیئرمین، جوہری توانائی کمیشن، ڈاکٹر انل کاکوڈکر کے ساتھ سی ای آر این گئے جسے دی یورپین آرگنائیزیشن فار نیوکلیئر ریسرچ بھی کہتے ہیں اور جس کے معنی ہیں 'جوہری تحقیق کے لیے یورپی تنظیم'۔ یہ ایٹمی تحقیق کے میدان میں ایک قابل تعظیم ادارہ مانا جاتا ہے۔ یہاں کئی ہندوستانی سائنسداں بھی مصروف بکار تھے۔ میں نے میڈیا کو بریف کیا کیونکہ سی ای آر این میں

نیوکلیائی ٹکنالوجی تک رسائی کی ہندوستان کی کوششوں کی روشنی میں یہاں ان کی آمد عالمی سطح پر کافی دلچسپی کا باعث تھی۔ بعد میں وہ زیوریچ کے سوئز فیڈرل انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی بھی گئے جہاں سوئٹزر لینڈ نژاد تیرہ نوبیل انعام یافتگان جو دنیا کے مختلف حصوں میں بس چکے تھے، مدعو کیے گئے تھے۔ یہ وہی انسٹی ٹیوٹ تھا جہاں جرمنی سے آنے کے بعد آئنسٹائن نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ڈاکٹر کلام نے طلبا اور فیکلٹی کو "ٹکنالوجی اور قومی ترقی" کے موضوع پر خطاب کیا تھا۔ انھوں نے وہاں آئنسٹائن کا گھر بھی دیکھا۔ یہ ان کے لیے جذباتی تجربہ تھا۔

ڈاکٹر کلام کے دورے کو سوئز میڈیا نے وسیع طور پر دکھایا۔ ان کے انٹرویو سرکردہ اخباروں میں شائع ہوئے۔ ان کے دورے کو سوئٹزر لینڈ میں ایک سائنسداں صدر کی آمد کے طور پر لیا گیا۔ یہ دورہ کئی میدانوں میں ہندوستان اور سوئٹزر لینڈ کے باہمی تعاون کو فروغ دینے کا باعث تصور کیا گیا۔ سیکریٹری (مغرب) وزارت برائے خارجی امور اور میں نے اس دورے کے مضمرات کے بارے میں میڈیا کو آگاہ کیا۔

ڈاکٹر کلام 29 مئی کو ریکزیوک پہنچے۔ جو آئیس لینڈ کی راجدھانی ہے۔ آئیس لینڈ یورپ میں سب سے کم آبادی والا ملک ہے۔ جس میں محض چار لاکھ باشندے ہیں۔ ڈاکٹر کلام نے وہاں کے صدر اولافر گرمسن کے ساتھ گفتگو کی اور "مشرق اور مغرب میں مماثلت اور امتیازات" کے موضوع پر ایک کانفرنس میں شرکت کی۔ وہ وہاں یونیورسٹی آف آئیس لینڈ میں بھی تشریف لے گئے۔

زلزلوں کی پیشن گوئی کے میدان میں آئیس لینڈ کے سائنسدانوں کے ذریعہ کی گئی تحقیقی کاوشوں کے بارے میں جاننے میں وہ خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے زلزلہ پیشن گوئی مرکز کا دورہ کیا اور وہاں کے سائنسدانوں سے گفتگو کی۔ اس میدان میں انھوں نے ہندوستان اور آئیس لینڈ کے باہمی تعاون سے متعلق بات چیت بھی کی۔ انھوں نے وہاں کے ہائیڈروجن گیس سے چلنے والے نظامِ نقل وحمل میں بھی خصوصی دلچسپی لی، جو آئیس لینڈ کا ایک قابلِ ذکر کام مانا جاتا ہے۔

31 مئی 2005 کو آئیس لینڈ کے ٹور کے دوران میں ہوٹل ریڈیسن میں یکا یک پھسل گیا اور میرا بایاں کندھا زخمی ہو گیا۔ مجھے اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں مجھے پتہ چلا کہ اسپتال کے ہڈیوں

کے علاج کے شعبے میں اکیلا مَیں ہی مریض ہوں۔ کیونکہ کوئی اور مریض موجود نہیں تھا، لہٰذا ڈاکٹر خالی بیٹھے تھے۔ جب ڈاکٹر کلام کو اس حادثے کا پتہ چلا تو انھوں نے مجھ سے فون پر میرا حال جاننے کے لیے بات کی۔ دوسرے دن میں ان کے ساتھ اپنے بائیں کندھے پر پٹی باندھے، یوکرین کے سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔

آئیس لینڈ کا ذرائع ابلاغ بڑا فعال تھا۔ اگر چہ وہاں کی آبادی بہت کم تھی۔ صدر کلام کی آمد اور زلزلوں اور دیگر زمینی آفات سے متعلق جلد اطاعات فراہم کرنے کے نظام کے بارے میں لوکل اخباروں میں مضامین اور اداریوں کے ساتھ بھرپور انداز میں خبریں شائع ہوئیں۔

1 جون کو وہ یوکرین کی راجدھانی، کیو پہنچے۔ صدر وکٹر یوشینکو نے ان کا استقبال کیا۔ یوکرین، جب یو ایس ایس آر کا حصہ تھا تب بھی ہندوستان کے ساتھ اس کے خصوصی تعلقات رہے تھے۔ وہاں کئی ہندوستانی سائنسداں کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر کلام نے راجدھانی کیو کے باہر اسپیس راکیٹ کی تشکیل میں سرگرمِ عمل ایک سائنسی مرکز کا معائنہ کیا۔ وہاں انھوں نے مصروف بہ کار سائنسدانوں سے تفصیل کے ساتھ گفتگو بھی کی۔

سنگاپور، فلپینس اور جنوبی کوریا

فروری 2006 کو صدر کلام نے سنگاپور، فلپینس اور جمہوریہ جنوبی کوریا کا دورہ کیا۔ ان کے ہمراہ اس وقت کے مرکزی وزیر برائے شہری ترقیات جناب رگھوونش پرساد سنگھ اور دیگر اراکینِ پارلیمنٹ تھے۔

سنگاپور میں انھوں نے اپنے ہم منصب ایس آر ناتھن اور وزیر اعظم لی لونگ کے ساتھ کارآمد اور سیر حاصل میٹنگیں کیں۔ انھوں نے مشہور نانینگ ٹکنالوجیکل یونیورسٹی دیکھی اور وہاں طلبا سے خطاب کیا۔ ہندوستانی طالب علموں کی بڑی تعداد ڈاکٹر کلام سے علاحدہ سے ملنے کے لیے وہاں پہنچی۔ اسٹاف کے اراکین کے ساتھ انھوں نے میٹنگ کی اور ان سے زلزلے، سُنامی اور پانی سے متعلق تحقیقات میں اس یونیورسٹی کے کارہائے نمایاں پر گفتگو کی۔ نانینگ ٹکنالوجیکل یونیورسٹی کے پُر جوش طلبا سے انھوں نے حفاظتی دائرے سے باہر نکلتے ہوئے مصافحہ کیا۔ نوجوان طالبِ علموں کے جوش و خروش کے باعث، جو صدرِ محترم کے قریب آ کر ملنے کے لیے ایک دوسرے پر

سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے اور اس صورت حال سے وہاں ایک بڑا متحرک سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

این ٹی یو کے صدر ڈاکٹر سو گوانگ نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کلام کی آمد پر این ٹی یو کیمپس میں راک اسٹار جیسا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سو گوانگ نے مزید کہا: "انھوں نے ہم سب پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انھیں کیونکر عوام الناس کے صدر کا لقب ملا ہے۔"

سنگا پور کے پریس کلب کے اراکین کے وفد کو میں ان سے ملانے کے لیے لے گیا تھا جن کے ساتھ انھوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ مباحثہ کیا۔ انہوں نے اپنا خصوصی اہمیت کا حامل 'سنگا پور لیکچر' بھی پیش کیا۔ جس میں انھوں نے ہندوستان اور سنگا پور کے مابین مختلف سیکٹروں میں معاونت کے امکانات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے "مشرق کی طرف دیکھو والی ہندوستان کی حکمتِ عملی" کے بارے میں اور دونوں ممالک کے درمیان آزادانہ تجارت کے معاہدے کی بنیادی ضرورت پر تفصیل کے ساتھ بات چیت کی۔ انھوں نے سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بھی تجارت اور تعاون کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔

ان کی اگلی منزل فلپینس تھی۔ یہاں وہ پہلے کالج آف نرسنگ میں گئے۔ اس کالج کے فارغ التحصیل افراد نے اور طالب علموں نے ان کے اس دورے کا، بڑے پُر جوش انداز میں اور افتخار کے ساتھ استقبال کیا۔ وہ دنیا بھر میں فلپینس کی نرسوں کی کارکردگی سے بڑے متاثر تھے۔ انھوں نے صحت کی دیکھ بھال کے معاملے میں ان نرسوں کے کاموں کو سراہا۔

صدر مالاکا نانگ آرویا نے صدر کلام کے اعزاز میں ایک پُر تکلف دعوت کا اہتمام بھی کیا۔ صدر آرویا نے اس دعوت میں غیر رہائشی ہندوستانیوں کو بھی مدعو کیا تھا اور میری میز پر ہی برابر کی کرسی مسٹر عرفان الانا اور ان کی بیگم کے لیے مختص کر دی گئی، جو کہ الانا گروپ آف انڈسٹریز کے مالک ہیں۔ انھوں نے مجھے ہندوستان اور فلپینس کے درمیان بڑھتے تجارتی رشتوں کے بارے میں بتایا۔

صدر کلام نے منیلا میں 6 فروری 2006 کو فلپینس کانگریس کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کیا۔

انھوں نے 'آسیان' ممالک کے درمیان عالمی تجارتی تعلقات اور مشرق کی طرف دیکھو والی ہندوستانی حکمتِ عملی کے بارے میں تقریر کی۔

اس ٹور کے آخری پڑاؤ میں، انھوں نے جمہوریہ کوریا کا سفر کیا، جسے عرفِ عام میں جنوبی کوریا کہا جاتا ہے۔ جنوبی کوریا کے ایک اخبار نے پہلے نئی دہلی میں ڈاکٹر کلام کا انٹرویو لیا تھا اس لیے ان کی آمد سے متعلق وہاں کی میڈیا نے ہندوستان کے کسی صدرِ مملکت کو پہلی بار کوَر کیا اور اس طرح انھوں نے اپنے اس سفر کو کوریا کے بڑے صنعت کاروں سے ملاقات کے لیے استعمال کیا۔

انھوں نے کورین تکنالوجی کا براہِ راست جائزہ لیا اور چار بڑی کورین تجارتی کمپنیوں سے خطاب کیا۔

وہ ڈے ڈیک اناپولس بھی گئے جو ڈے جون کے یوسینگو شہر کے اندر تحقیق و ترقیاتی کاموں کا مکمل ایک ذیلی شہر ہے۔ یہ جنوبی کوریا کا دوسرا بہت بڑا شہر ہے۔ انھوں نے وہاں کام کرنے والے سائنس دانوں کے ساتھ مکالمے پر مبنی بڑے مصروف نوعیت کے اجلاس رکھے۔

جنوبی کوریا میں ڈاکٹر کلام کی ہر دلعزیزی کا اندازہ ان کی کتاب ''ونگس آف فائر'' کی مقبولیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا کورین زبان میں ترجمہ ڈاکٹر محترمہ او۔ کے۔ جنگ لی نے کیا جو کہ سماجیات کی پروفیسر ہیں۔ محترمہ نے ڈاکٹر کلام کو بتایا کہ ان کی کتاب نے کورین نوجوانوں میں صبر و ضبط اور سخاوت کا ایک نیا نظریہ آشکار کر دیا۔ 8 فروری 2006 کو انھوں نے جمہوریہ کوریا کی نیشنل اسمبلی کو خطاب کیا۔ انھوں نے دونوں ممالک کے درمیان اپنا عالمی مچانِ علم اور ای بزنس نیٹ ورک کا تصور پیش کیا۔ ان کے خطاب کو میڈیا نے بڑا سراہا جس میں انھوں نے کہا، ''ایشیا اور دنیا میں امن اور خوشحالی پیدا کرنے کے وژن کے ساتھ ہمیں اپنی عوام کے بیچ ایک مضبوط ربط کاری کی ضرورت ہے''۔

میَنمار اور ماریشس

ڈاکٹر کلام کا اگلا اہم بیرونی دورہ، ہندوستان کے پڑوسی ممالک میَنمار اور ماریشس کا تھا۔ وہ میَنمار 8 مارچ 2006 کو پہنچے۔ اس وقت مرکزی وزیرِ مملکت کماری سیلجہ اور خارجہ سکریٹری شیام سرن ان کے ساتھ تھے۔ اس دورے کے دوران، دونوں ملکوں کے بیچ تعلیمی اور خلائی

سیکٹروں میں تین معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔

کسی ہندوستانی سربراہِ مملکت کا تاریخی شہر منڈالے کا یہ پہلا دورہ تھا۔انھوں نے ٹریڈیشنل میڈیسن کی یونیورسٹی (یونیورسٹی برائے روایتی ادویات) میں تقریر کی۔انھوں نے بتایا کہ میئنمار میں استعمال ہونے والی زیادہ تر جڑی بوٹیاں ہندوستان کی شمال مشرقی ریاستوں میں پائی جاتی ہیں۔وہاں انھوں نے تاریخی اہمیت کے حامل ''شویدہ گان پگوڑا'' اور بدھوں کے دیگر مقدس مقامات دیکھے۔

ینگون میں ڈاکٹر کلام کی سب سے یادگار اور جذباتی سرگرمی ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے مقبرے پر جانا تھا، جنھیں (1857 کی بغاوت کے بعد) انگریزوں نے جلاوطن کر کے رنگون بھیج دیا تھا۔رنگون کو اب ینگون کہا جاتا ہے۔'مہمانوں کی بیاض' میں صدرِ محترم نے تحریر کیا؛ ''اوہ۔شہنشاہِ ہندوستاں! آج میں یہاں حاضر ہوا ہوں اور میں نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے۔میں نے یہاں عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں اور شمع روشن کی ہے۔یہ کسی مفلس کی قبر نہیں، یہ شہنشاہِ ہندوستان کا مقبرہ ہے۔''

ہر جگہ ذرائع ابلاغ نے ان کا پیچھا کیا۔اور میں نے میئنمار کی فوجی حکومت کے ساتھ ان کی گفتگو کے بارے میں میڈیا کو بریف کیا۔

ینگون سے ماریشس پورٹ لوئی جاتے ہوئے ہوائی جہاز میں صدرِ محترم سے ہندوستانی میڈیا کے وفد نے ان کے اس سفر کے بارے میں مختلف سوالات کیے، ریاستِ ناگالینڈ اور منی پور میں میئنمار سے حملہ آور ہندوستانی باغیوں کے غولوں کے بارے میں خاص طور سے پوچھا گیا اور جمہوریت نواز تحریک کی رہنما اور نوبیل انعام یافتہ آنگ سان سوکی کی قید و بند سے متعلق ان کے خیالات جاننا چاہے۔جو ینگون میں خانہ بندی میں رہ رہی تھیں۔انھوں نے میئنمار میں جمہوریت کی بحالی کے بارے میں دریافت کیا۔ڈاکٹر کلام نے میڈیا سے صاف گوئی کے ساتھ کہہ دیا کہ انھوں نے دونوں مسئلے میئنمار کی قیادت کے سامنے اُٹھائے ہیں۔ان دونوں باتوں کو لیکر واپس ملک میں آجانے پر میڈیا نے بڑی سرخیاں بنائیں۔اتفاق سے میئنمار میں آزاد اور شفاف انتخابات کے بعد سوکی بحیثیت صلاح کار اور حکومت کی فی الحقیقت روحِ رواں ہونے کے

ساتھ اب وہاں جمہوریت بحال ہو چکی ہے۔

یورپین یونین پارلیمنٹ، اسٹراس برگ اور یونان (گریس)

اپنے گزشتہ بیرونِ ملک ٹور میں بحثیت صدر ڈاکٹر کلام نے اسٹراس برگ میں یورپین یونین پارلیمنٹ اور یونان (گریس) کا دورہ کیا تھا۔ تب ان کے ساتھ مرکزی وزیر شری ولاس بابو راؤ منتھم وار تھے۔ ان کا یوروپین پارلیمنٹ کا دورہ اور یورپین یونین کے اراکین کے سامنے ان کے تاریخی خطبے پر ہم اس کتاب کے چھٹے باب ''ایک انسان دوست'' میں تفصیل کے ساتھ بات کر چکے ہیں۔

وہ 25 اپریل 2007 میں اپنے عہدِ صدارت کے اختتام سے ٹھیک تین ماہ قبل وہاں پہنچے تھے۔ یونانی صدر کارلوس پاپولس نے ان کا استقبال کیا اور اس کے بعد گارڈ آف آنرس یعنی سلامی پیش کی گئی۔

صدر پاپولس کے پاس ڈاکٹر کلام کے لیے ایک تحیر آمیز شے موجود تھی۔ انھوں نے ڈاکٹر کلام کو ایک سکہ پیش کیا۔ جس میں راجا ملندہ کی شبیہہ موجود تھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ ہندوستان اور یونان کی قدیم تہذیبوں میں کافی ربط تھا۔

ڈاکٹر کلام نے ''ہیلینک فاؤنڈیشن فار یورپین اینڈ فارن پالیسی'' جیسے باشعور اور مدبر اشخاص کی جماعت کے اراکین کے ذریعہ منعقد کیے گئے معززین کے اجتماع کے سامنے اپنا کلیدی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر کلام نے اپنے خطبے میں ''امن اور خوشحالی کے محرکات'' جیسے اہم موضوع کا احاطہ کیا۔

انھوں نے ہیلینک ایرواسپیس انڈسٹریز کا مپلیکس کا پورا چکر لگایا۔ یہ ایچ اے آئی آتھینس سے پینسٹھ کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے اور یونان کی ایک سرکردہ ایرواسپیس کمپنی ہے۔ اس کمپنی نے بڑی بین الاقوامی ایرواسپیس کمپنیوں کے ساتھ وافر مقدار میں ذیلی معاہدوں کے ذریعہ کام حاصل کیے تھے۔ جس میں ڈاسالٹ ایوی ایشن، لاک ہیڈ مارٹن، بوئنگ اور ایئر بس شامل ہیں۔ ڈاکٹر کلام نے وہاں بغیر پائلٹ کی اُڑن تشتریوں پیگاسس کے طبع زاد ڈیزائنوں میں بڑی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ڈاکٹر کلام کی اگلی منزل نیشنل کونسل فار سائنٹیفک ریسرچ (این سی ایس آر 'ڈیما کریٹس') تھی۔ یہ ذراتی اور جوہری سائنس اور اطلاعاتی سائنس، اور ٹیلی مواصلات جیسے میدانوں میں بین الاقوامی ساکھ کے ساتھ یونان کا سب سے بڑا شعبہ جاتی تحقیقی مرکز تھا۔ انھوں نے ''ٹکنالوجیوں کے اتصال'' پر بات کی اور اس سے متعلق تحقیقی مراکز کا دورہ کیا۔ 27 اپریل 2007 کو گریک ٹیلی وژن اور وہاں کے سرکردہ اخبارات نے ان کا انٹرویو لیا۔ میں اس انٹرویو کے دوران وہاں موجود تھا۔ انھوں نے ہندوستان اور یونان کے تعلقات، دونوں ملکوں کے مابین زمانہ قدیم سے قریبی تہذیبی روابط اور بڑھتے ہوئے تجارتی امکانات سے متعلق تفصیلی بات چیت کی۔

29 اپریل 2007 کو صدر کلام ایتھینس کی ''مقدس پہاڑی'' ایکروپولس دیکھنے گئے جو دنیا کی سب سے زیادہ تاریخی اہمیت کی حامل جگہوں میں سے ایک مانی جاتی ہے۔ ایکروپولس پر وہ چالیس منٹ تک رہے۔ وہاں کی سب سے مشہور عمارت پارتھینان ہے جو کہ ایتھینا کی دیوی کے لیے وقف ہے، جنھیں اہلِ ایتھینس اپنا مربی مانتے ہیں۔ یہ عمارت 2400 برس پہلے تعمیر کی گئی تھی۔ پتھروں کی بنی ہوئی پگ ڈنڈیوں سے گزرتے ہوئے، وہ لوگوں کے ساتھ پوری طرح مل گئے تھے۔ جب وہ اسکولی بچوں کے ایک بڑے گروپ سے ملے تو انھوں نے ان سے اپنے ساتھ دہرانے کو کہا: ''خواب دیکھو، خواب دیکھو، خواب دیکھو کیونکہ خواب افکار میں بدل جاتے ہیں اور افکار ہمیں عمل کی جانب لے جاتے ہیں۔''

ڈاکٹر کلام فلوپپس ہل سے اس غار تک پیدل گئے جہاں سقراط کو قید کیا گیا تھا۔ اس غار میں انھوں نے عجیب سی خاموشی کا احساس کیا اور سب سے کچھ دیر خلوت چاہی۔ اس پر ساتھی عملے نے بڑے احترام کے ساتھ عمل بجا آوری کی۔ انھوں نے بعد میں لکھا: ''میں ٹمٹماتی روشنی کے ساتھ اس غار میں پانچ منٹ تک اکیلا تھا۔ میں مراقبے کی حالت میں پہنچ گیا تھا۔ میں حیران تھا کہ کیوں سقراط نے جو کہ دنیا کے عظیم ترین دانشوروں میں سے ایک تھا، خود اپنی ہی زندگی لینے کے لیے زہر کا پیالہ پی لیا۔ مجھے اس کے الفاظ یاد ہیں کہ 'جن باتوں کی وہ تبلیغ کیا کرتا تھا ان کی قیمت خود اس کی اپنی زندگی سے بڑھ کر ہے۔''

بیرون ممالک کے سربراہانِ مملکت کی ہندوستان آمد پر صدر کلام سے ملاقاتیں

صدر کلام کی مدتِ کار کے دوران مختلف ممالک کے سربراہان کی ایک بڑی تعداد، جن کی صدرِ محترم کے ساتھ باہمی ملاقاتیں رہی تھیں، وہ سب بھی ہندوستان تشریف لائے۔ ان کی آمد اور باہمی ملاقاتوں سے ہندوستان کو ان ملکوں کے ساتھ قریبی رشتے استوار کرنے میں مدد ملی۔

2003 میں پہلی بار ایران کے صدر جناب سید محمد خاتمی ہماری یومِ جمہوریہ کی تقریبات میں مہمانِ خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ ایران کے صدر بننے سے پہلے ایک جید عالم کے طور پر ان کا ایک زبردست سفرِ حیات رہا تھا۔ سیموئیل ہنٹنگٹن کی کتاب ''کلیش آف سویلائیزیشن'' (تہذیبوں کا ٹکراؤ) کے جواب میں جناب سید خاتمی نے اپنی کتاب ''ڈائیلاگ آف سویلائیزیشن'' (تہذیبوں کا مکالمہ) لکھی تھی۔ صدر کلام نے راشٹر پتی بھون میں ان کے اعزاز میں ایک نجی ظہرانے کا اہتمام کیا تھا جس میں ان کی اس کتاب کے بارے میں صدرِ محترم نے ان سے گفتگو کی تھی۔ صدر کلام نے جناب سید خاتمی سے کہا کہ ہندوستان و ایران کی ثقافت میں قابلِ قدر مشترکہ باتیں ہیں۔ صدر خاتمی نے وزیرِ اعظم واجپئی کے ساتھ نئی دہلی اعلامیہ پر دستخط کیے، جس میں دونوں ملکوں کے مابین دفاعی حصہ داری کا ایجنڈا تشکیل کیا گیا تھا۔ ہندوستان و ایران توانائی، تجارت اور دیگر معاشی امور میں اشتراک کرنے اور دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے ضمن میں باہمی تعاون کو مضبوط کرنے کے لیے رضامند ہو گئے۔

19 اپریل 2005 کو پاکستان کے صدر جناب پرویز مشرف ہندوستان آئے۔ انھوں نے ڈاکٹر کلام سے دورخی ملاقات مقرر کی۔ ڈاکٹر کلام نے انھیں اور ان کے وفد کو ہندوستان اور پاکستان میں دیہی ترقیات سے متعلق اپنا تیس منٹ کا پاور پوائنٹ پریزینٹیشن پیش کیا۔ جنرل مشرف نے دیہی علاقوں کے فروغ کے لیے اتنا معلوماتی اور قابلِ عمل منصوبہ پیش کرنے کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا۔ پریزینٹیشن پورا ہونے پر جنرل مشرف مسکرائے اور انھوں نے کہا: ''صدرِ محترم، ہندوستان بڑا خوش نصیب ہے کہ اس کے پاس آپ جیسا ایک سائنس داں صدر ہے۔''

جنوری 2006 میں سعودی عربیہ کے چھٹے بادشاہ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز السعود صدر ڈاکٹر کلام کی دعوت پر یومِ جمہوریہ کی پریڈ میں بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کرنے کے لیے

ہندوستان تشریف لائے۔ ایک سعودی بادشاہ کی گذشتہ اکیاون برسوں میں ہندوستان میں پہلی تشریف آوری تھی۔ شاہ کے اس دورے کے دوران، ڈاکٹر کلام نے ان سے ذاتی رابطے قائم کیے۔ ان کی یہ ملاقات ہندوستان اور سعودی عربیہ کے درمیان ایک میل کا پتھر ثابت ہوئی اور جو ''دہلی اعلامیہ'' پر دستخط میں تبدیل ہو کر دونوں ملکوں کے مابین ایک دفاعی اشتراک توانائی کی شکل اختیار کر گئی۔ راشٹر پتی بھون کے برآمدے میں ذرائع ابلاغ سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام کے ساتھ، شاہ عبداللہ نے یہ جملہ کہا تھا کہ 'ہندوستان میرا وطنِ ثانی ہے'۔

دہائیوں سے سعودی عربیہ، ہندوستان کا سب سے زیادہ خام تیل فراہم کرنے والا ملک رہا ہے جو ہمارے ملک کی خام تیل درآمدات کا تقریباً 19 فیصد حصہ ہے۔ صدر کلام اور وزیر اعظم منموہن سنگھ دورخی معاملات پر شاہ عبداللہ سے طویل گفتگو کرتے رہے۔ سعودی عربیہ سے ہندوستان کے تعلقات میں کئی عوامل کارفرما ہیں بشمول اس حقیقت کے سعودی عربیہ 3.5 ملین ہندوستانی تارکینِ وطن کا ٹھکانا اور روزگار کی جگہ ہے جو کسی ایک ملک میں یہ سب سے بڑی تعداد ہے۔ شاہ عبد اللہ کے یہاں آنے سے یہ رشتہ مضبوط تر ہوا اور صدر کلام نے اس میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ وزیر اعظم شری نریندر مودی کے سعودی عربیہ کے ساتھ دوطرفہ رشتوں میں وسعت اور گہرائی بخشنے کی غرض سے کیے گئے حالیہ دورے سے اس آپسی تعلق کو مزید تقویت ملی۔

جمہوریۂ فرانس کے صدر، مسٹر جیکس چراک صدر ڈاکٹر کلام کی دعوت پر 19 فروری 2006 کو ہندوستان تشریف لائے۔ راشٹر پتی بھون کے برآمدے میں ان کا روایتی شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا گیا اور ان کے اعزاز میں مغل گارڈن میں ایک پُر تکلف دعوت کا بھی اہتمام کیا گیا۔

صدر چراک سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام نے خلائی سیکٹر میں ہند فرانسیسی تعاون کو یاد کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس میدان میں باہمی معاونت کی ایک طویل اور کامیاب تاریخ ہے۔ فرانس کے صدر نے صدر محترم اور وزیر اعظم ہند کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل میں ہندوستان کی مستقل رکنیت کی امیدواری پر اپنے ملک کی مضبوط حمایت کا موقف دہرایا۔ دونوں نے بین الاقوامی امن اور تحفظ کے لیے سب سے بڑا خطرہ مانتے ہوئے دہشت گردی کو اس کی تمام

ڈاکٹر کلام جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن کے علاقے فینکس میں مہاتما گاندھی کے مجسمے پر خراج تحسین اور گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے۔

صدر کلام ایتھنس (یونان) کے فلوپیپس پہاڑی کے اس غار پر جہاں سقراط کو قید میں رکھا گیا تھا۔

راشٹرپتی بھون میں عید کے دن ڈاکٹر کلام مصنف کے ساتھ۔

صدر کلام کا استقبال کرتے ہوئے معروف روحانی رہنما ماتا امرتانندامئی۔

صدر کلام روس کے صدر ولادیمیر پوتن کے ساتھ راشٹر پتی بھون میں۔ مصنف صدر پوتن کا استقبال کرتے ہوئے۔

ڈاکٹر کلام ایک صبح راشٹر پتی بھون میں چہل قدمی کرتے ہوئے۔

صدر کلام سعودی عربیہ کے بادشاہ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز السعود کے ساتھ جب وہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ مصنف بھی تصویر میں شاہ سے مصافحہ کرتے ہوئے۔

صدر کلام صدر، جارج بش اور لارا بش کے ساتھ نئی دہلی دورے کے وقت۔ مصنف صدر بش کا خیر مقدم کرتے ہوئے۔

تر اقسام اور ہیئتوں میں انتہائی قابلِ مذمت قرار دیا۔

2 مارچ 2006 کو ایک اور اہمیت کے حامل مہمان امریکی صدر جارج ڈبلیو بُش تشریف لائے۔ ان کی آمد پر تاریخ ساز انڈو یو ایس سِول نیوکلیئر ایگریمنٹ پر اسی روز دستخط ہوئے۔

ہندوستان اپنے سِول اور دفاعی جوہری مراکز کی سلسلے وار علاحدگی کے لیے اور اپنے سِول جوہری تنصیبات کو بین الاقوامی انرجی ایجنسی کے معیارات کی زیرِ نگرانی لانے کے لیے رضامند ہو گیا تھا۔

صدر بُش نے یقین دلایا کہ امریکہ نیوکلیئر سپلائر گروپ (این ایس جی) کے ساتھ فعال کردار نبھائے گا، تا کہ ہندوستان کے ساتھ پورے طور پر سِول نیوکلیئر توانائی کی فراہمی اور تجارت ہو سکے۔ صدر بُش نے ہندوستان کو ایک اعلیٰ درجہ کی جوہری ٹکنالوجی کا اہل مانا ہے۔ عام تباہی کے ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی روک تھام کے معاملے میں ہندوستان نے ہمیشہ اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا ہے اور اس طرح ایک ذمے دار ملک ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ 'ہندوستان کو وہی سب فائدہ اور اعتبار حاصل ہونا چاہیے جو ایسی دوسری مملکتوں کو ملے ہوئے ہیں'۔

صدر کلام نے ہندوستان کی توانائی کی ضروریات کے بارے میں صدر بُش کو چالیس منٹ کا پاور پوائنٹ پریزینٹیشن پیش کیا اس پیش کش کے آخر میں پریزیڈینٹ بُش نے اظہارِ خیال کیا کہ "یہ سمجھنے کے لیے مجھے ایک سائنس داں ہونا چاہیے تھا"۔

اس بات کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے کہ ہند امریکی جوہری توانائی معاہدے میں ڈاکٹر کلام کا بہت بڑا کردار رہا تھا اور انھوں نے اس معاہدے کو ملک کے لیے مضبوطی سے قائم رہنے پر اس وقت کے وزیرِ اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کی بھرپور حمایت کی تھی۔ ڈاکٹر کلام کو یقین تھا کہ یہ معاہدہ ہندوستان کے حق میں ہے اور اس کے بغیر ہندوستان کا جوہری توانائی کا پروگرام مشکل میں پڑ جائے گا۔

راشٹر پتی بھون میں صدرِ محترم کے ذریعہ صدر بُش اور ان کی اہلیہ کے اعزاز میں دی جانے والی ضیافت اپنے آپ میں ایک بڑی تقریب تھی۔ یہ بینکویٹ مغل گارڈن کے میدان میں

منعقد کیا گیا تھا اور اس موقع پر راشٹر پتی بھون میں چراغاں کیا گیا تھا۔

واشنگٹن پہنچنے کے بعد، صدر بش نے ڈاکٹر کلام کو ان کی مہمان نوازی اور توانائی سے متعلق بڑی دلچسپ بریفنگ کے لیے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ خط ارسال کیا۔ صدر بش نے ڈاکٹر کلام کو لکھا: ''آپ ایک بڑے دل والے بھلے آدمی ہیں۔ ہم آپ کی قیادت اور ہندوستانی بچوں کی تعلیم کے تئیں آپ کی دلچسپی کو قابلِ ستائش سمجھتے ہیں''۔

نومبر 2006 میں ہز ایکسی لینسی، مسٹر ہُو جن تاؤ، صدر جمہوریہ چین، ڈاکٹر کلام کے مدعو کرنے پر، ہندوستان تشریف لائے۔ صدر جن تاؤ نے ڈاکٹر کلام اور ڈاکٹر منموہن سنگھ سے ملاقات کی۔ ہند چین سالِ رفاقت کا یادگاری جشن ان کی آمد کے ساتھ منسلک ہو گیا۔

دونوں مملکتوں کے سربراہان نے دونوں ملکوں کے مابین مجموعی علاقائی اور ہمہ جہتی تعاون پر اطمینان درج کرایا۔ ہند چینی تعلقات کو مستقبل میں فروغ دینے کے لیے 23 جون 2003 کے مبسوط تعاون اور تعلقات کے اُصولوں کے اعلامیہ میں شامل ساجھے نظریات اور بنیادی اُصول وضوابط اور دونوں ملکوں کے وزیر اعظموں کے درمیان 11 اپریل 2005 کو دستخط کیے گئے۔ مشترکہ بیانیہ کو دہرایا گیا۔

صدر کلام اور صدر ہُو جن تاؤ اس بات پر متفق تھے کہ دو سب سے بڑے ترقی پذیر اور پڑوسی ممالک ہندوستان اور چین کے درمیان تعلقات عالمی اور دفاعی اہمیت کے حامل ہیں۔ طرفین میں تجارتی اور معاشی زرِ مبادلہ کو مستحکم بنانے پر رضا مندی کا اظہار کیا گیا۔ ہندوستان اور چین پُرانے اختلافات کو بشمول سرحدی مسئلے کے، امن و آشتی کے راستے سے منصفانہ، معقولیت پر مبنی اور باہمی طور پر قابلِ قبول طریقہ سے حل کرنے کو رضا مند ہو گئے۔ دونوں ممالک نے ثقافتی ہم آہنگی کو تقویت دینے اور عوام سے عوام کا رشتہ ہموار کرنے پر زور دیا۔

ڈاکٹر کلام نے صدر جن تاؤ سے کہا کہ دونوں ملکوں کو روحانی اور تہذیبی ورثے کے میدان میں تعاون کو تقویت دینا چاہیے۔ چین میں دستیاب بودھی مخطوطات کے عملِ ڈجیٹائزیشن میں باہمی تعاون پر گفتگو کرنا چاہیے اور اسی طرح نالندہ (بہار) کو ایک بین الاقوامی یونیورسٹی بنا کر تعلیم

کے ایک بڑے مرکز کے طور پر اس کا از سر نو احیا کرنا چاہیے۔

صدر روس مسٹر ولادی میر پوتن 2007 میں جشن یوم جمہوریہ پر مہمان خصوصی تھے۔ وہ 25 اور 26 جنوری 2007 کے دو روزہ سرکاری دورے پر تشریف لائے تھے۔ صدر کلام نے ان کے لیے آفیشیل ظہرانے کا اہتمام کرایا تھا۔ دونوں ملکوں نے جوہری توانائی کے پُر امن استعمال میں باہمی تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا۔

صدر پوتن نے کہا، ''گزشتہ دہوں میں ہندوستان زبردست پیمانے پر ترقی کر کے آگے بڑھا ہے۔ یہ ایک عہد قدیم کے تہذیبی اثاثوں سے بھرا ہوا ملک ہی نہیں رہا ہے بلکہ اب وہ جدید ترتکنالوجی کا راہبر ہے اور دنیا میں بطور ایک مضبوط اور بااثر طاقت کے ابھرا ہے۔'' دونوں صدور نے 2008 میں ہندوستان میں سالِ روس اور 2009 میں روس میں سالِ ہندوستان منانے کا اعادہ کیا۔ اس کا مقصد ثقافتی اور عوامی زندگی کی رونق اور ہم آہنگی میں اضافہ کرنا اور دونوں ملکوں کے لوگوں کو ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔

ڈاکٹر کلام کے عہدِ صدارت کے دوران، اپریل 2007 میں نئی دہلی میں چودھویں سارک سَمِٹ کا اجتماع منعقد کیا گیا۔ سارک سَمِٹ کا پورا نام ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن ہے، جس کے معنی ہیں جنوبی ایشیائی ممالک کی علاقائی تعاون کی تنظیم۔ یہ ایک تاریخی نوعیت کا اجتماع تھا کیونکہ افغانستان بھی اب سارک برادری کا حصہ بن چکا تھا۔ سارک کے لیڈروں نے ڈاکٹر کلام کو مباحثے کے لیے مدعو کیا تھا۔ ڈاکٹر کلام نے انھیں کہا کہ غریبی کو اکھاڑ پھینکنا اور روزگار کے وسائل پیدا کرنا سارک ممالک کی کامیابی کی کنجی کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر کلام نے سارک ملکوں میں دیہی افلاس زدہ لوگوں کی بہبود سے متعلق نیشنل پراسپیریٹی انڈیکس (این پی آئی) یعنی قومی خوشحالی کے اشاریہ کا تصور پیش کیا۔ اس اشاریہ کا مقصد غریبی دور کر کے اراکین ملکوں کی ترقی کی راہ ہموار کرنا تھا۔ پاکستان، افغانستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، بھوٹان، مالدیپ اور نیپال کے اس وقت کے سبھی سارک لیڈروں نے قومی خوشحالی اشاریہ کے تصور کو پسند کیا۔ افغانستان کے صدر جناب حمید کرزئی نے کہا، ''ان تمام بصیرت افروز تصورات کو سمجھنے کے لیے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں ڈاکٹر کلام کا شاگرد بن جاؤں۔''

مالدیپ کے صدر جناب مامون عبدالقیوم نے ارضی تمازت میں اضافے اور موسمیاتی تبدیلی کے خطروں کے باعث اپنے جزیرے پر لاحق ماحولیاتی پستی کے ضمن میں اپنے گہرے سرو کار کا اظہار کیا انھوں نے 'سنامی' کی مثال دی جو کچھ ہی روز قبل برپا ہوئی تھی، جس میں آدھے گھنٹے کے اندر جی ڈی پی (گراس ڈومیسٹک پروڈکٹ) کا 62 فیصد بہہ کر ختم ہو گیا تھا۔ نیپال کے وزیرِ اعظم شری جی پی کوئرالہ اور بھوٹان کے وزیرِ اعظم شری لوین پوکھنڈووانگ چُک نے ڈاکٹر کلام سے کہا کہ ان کا 'پورا' (پی یو آر اے) کا تصور ان کے ملک کے دیہی پہاڑی علاقوں کے لیے بہت مناسب ثابت ہوا ہے۔ نیپال کے وزیرِ اعظم نے چین کو بھی سارک کے رکن کے طور پر شامل کرنے کی اپیل کی۔ سری لنکا کے صدر مہندرا راجا پکسا نے ڈاکٹر کلام سے اتفاق کیا کہ سارک علاقے میں امن اور آپسی میل جول انتہائی ضروری ہے۔

پاکستان کے وزیرِ اعظم جناب شوکت عزیز نے ڈاکٹر کلام سے اتفاق کیا کہ سارک ملکوں کی کامیابی کے لیے روزگار کے مواقع بڑھانا کلیدی اہمیت کا حامل امر ہے۔ نیشنل پراسپیریٹی انڈیکس (قومی خوشحالی کے اشاریے) کا تصور جو صدرِ محترم نے پیش کیا تھا، یقینی طور پر ان کی ایک اہم اختراع تھی اور جس میں دیہی غربا کی بہبود میں اٹھائے گئے تمام بنیادی عوامل کا احاطہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ این پی آئی کے تصور میں افلاس کے گھٹنے کی شرح کو بھی شامل کرنا چاہیے۔ انھوں نے اطلاع دی کہ پاکستان میں گھر گھر کی آمدنی کا تفصیلی سروے کیا جا رہا ہے، جو کہ این پی آئی کے جیسے اشاریے کے کم و بیش قریب تر پہنچنے کی بنیاد بنے گا، جیسا کہ ڈاکٹر کلام نے مشورہ دیا ہے۔

بنگلہ دیش کی حکومت کے خصوصی صلاح کار ڈاکٹر فخر الدین احمد نے کہا تھا کہ ڈاکٹر کلام نے سارک ممالک کو ایک حقیقی بصیرت عطا کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ سال 2017 تک اسے کیسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ تمام سارک ممالک مختلف میدانوں میں مسابقتی فائدے یا فروغ رکھتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ سارک ملکوں میں اپنے تجربات ساجھا کرنے اور اپنے بہترین طریق ہائے عمل، آپس میں مشترک کرنے کے لیے ڈاکٹر کلام کا مجوزہ نالج پلیٹ فارم کارآمد ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر کلام نے کہا کہ ماحولیاتی دائرے میں، یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ہر سال فضا میں تیس ارب ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ چھوڑتے ہیں۔ اسی کے باعث گلوبل وارمنگ یا عالمی تمازت، موسمیاتی تبدیلی اور ماحول کا لگاتار تنزل ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اس لیے، یہ ضروری ہے کہ فوسل فیول یعنی حیواشم ایندھن سے ماحول دوست ایندھن کی طرف پلٹ جائیں جیسے بائیو ڈیزل کا استعمال۔ سارک ممالک کو توانائی کے متبادل وسائل کو فروغ دینے کے لیے، ماحول کو بہتر بنانے کے لیے اور اپنے خام تیل کی درآمدات کے بڑے بڑے بل سے نجات پانے کے لیے متحدہ طور پر سرگرم عمل ہونا چاہیے۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا۔ ڈاکٹر کلام نے اس خطے کے سربراہانِ مملکت سے کہا کہ دہشت گردی سے نپٹنے کی خاطر یہ بالکل ناگزیر ہے کہ خطہ کی معاشی ترقی کو فروغ دیا جائے۔ اگرچہ بہت سے مسائل کو حل کرنے کے لیے سیاسی اقدامات ضروری ہیں، اس خطے میں معاشی خوشحالی یہاں تناؤ کم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر کلام اور ذرائع ابلاغ

ڈاکٹر کلام کے ذرائع ابلاغ کے ساتھ بہترین عملی روابط تھے۔ وہ ذرائع ابلاغ کے لیے ہمیشہ وقت نکال لیتے تھے اور اپنی بات چیت میں اور انٹرویو کے دوران وہ صاف گوئی سے کام لیتے تھے۔ میں ان کے اور ذرائع ابلاغ کے درمیان ایک کڑی تھا۔

ذرائع ابلاغ نے ڈاکٹر کلام کے 11 ویں ہندوستانی صدر جمہوریہ کے طور پر تقرری کا ملک بھر میں بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ درحقیقت، ان کے نام کا اعلان کیے جانے سے پہلے ہی کالم نگار اور ایڈیٹر حضرات ان کا نام بھی تجویز کرتے رہے تھے۔ معروف کالم نگار اور مدیرِ اعلیٰ شری ہری جے سنگھ نے 7 جون 2002 کو ان کی امیدواری کے اعلان سے دو ہفتہ پہلے انگریزی اخبار ''ٹریبیون۔ چندی گڑھ'' میں لکھا تھا: ''میں چاہتا ہوں کہ اس عہدے کے لیے ایسا آدمی منتخب ہو جو سو فیصد اپنے دل اور نظریات سے ہندوستانی ہو۔ اے پی جے عبدالکلام ایسی ہی بے مثال شخصیت کے مالک ہیں۔ اکثریت اور اقلیت کی علامتوں سے پرے خالص ہندوستانی فکر و عمل کی صلاحیت سے لیس شخصیت کی آج اشد ضرورت ہے۔ یہیں ڈاکٹر کلام کا نام ایسے چند قدآور ہندوستانیوں میں سرِ فہرست ابھر کر آتا ہے۔ وہ ایک بے مثال سائنسداں ہیں جن میں سا لمیت، ایثار اور لگن پائی جاتی ہے۔ تمل ناڈو میں پیدا ہونے والے، میزائل پاور جیسے جلیل القدر شعبۂ

حیات میں انھوں نے ملک کو عظمت وسُرخ روئی دلائی۔ جو شے ان کو سب سے منفرد بناتی ہے وہ ان کے ذہن و دل کی اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ شان دکھانے کے لیے ان کے پاس غیر ملکی سندیں نہیں تھیں۔ وہ خالص ہندوستانی نظامِ تعلیم کی ایک بہترین پیداوار تھے۔ اس طرح وہ اس مٹی کی اصلی اولاد تھے۔ انھوں نے خود کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں حد سے زیادہ اچھا ثابت کیا۔ انھیں پہلے ہی سے قوم نے اپنے اعلیٰ ترین اعزاز 'بھارت رتن' سے نوازا تھا۔

ان کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ ہندوستان کو طاقتور ملک بنانے کا ڈاکٹر کلام کا وژن ہے۔ مجھے یاد ہے کہ انھوں نے 'ٹریبیون' کی 117ویں سالگرہ پر 22 فروری 1998 میں ایک کلیدی خطبہ پیش کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا: 'آزادی کے پہلے وژن کو حاصل کرنے کے پچاس سال بعد لازمی ہے کہ قوم کے پاس دوسرا وژن بھی ہو۔ ہمیں ایک ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا خواب دیکھنا چاہیے۔ ہم فی الحال غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک ہیں۔ ایک ترقی پذیر ملک کے معنی ہیں ایک کمزور معیشت۔ اور ایک ملک کی حیثیت سے بین الاقوامی فورموں میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے گذشتہ مسئلوں کو بھلا دیں اور ترقی یافتہ ملک بننے کے لیے جدو جہد کریں۔ ہم سب کو یہ تصور کرنا ہوگا کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے۔ ایک ملک جس میں ایک ارب لوگ رہتے ہیں۔ تصور کیجیے ایک چھوٹا سا ہندوستان جس میں دس لاکھ لوگ رہتے ہوں۔ جب آپ بڑے ہو تو آپ کی سوچ بھی بڑی ہونی چاہیے۔''

انگریزی میگزین 'آوٹ لک' کے جون 2002 کے شمارے میں جناب پی آر شری کانت نے ایک مضمون لکھا جس میں انھوں نے ڈاکٹر کلام کو ہندوستان کے صدر کی حیثیت سے چنے جانے کا استقبال کیا۔ وہ رقم طراز ہیں: 'رامیسورم شہر میں گھر گھر اخبار مہیا کرنے والے لڑکے سے لے کر اعلیٰ پائے کے سائنسداں تک کی عبدالکلام کے عروج کی داستان کے بارے میں کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔ وہ اپنے خاندان کے پہلے گریجویٹ تھے اور ان کی ابتدا بڑے معمولی سے پس منظر میں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ بڑی محنت و لگن کے ساتھ جاری وساری رکھتے ہوئے مدراس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں گریجویشن کیا اور ایرونائیکل انجینیر نگ میں خصوصی دلچسپی لی۔ جو کلام کو قریب سے جانتے ہیں وہ ان کی کفایت شعاری کی طرز زندگی، نرم روی اور محنت و لگن کا تذکرہ

کرتے ہیں۔کبھی کبھار وہ ایک دن میں اٹھارہ گھنٹوں تک لگاتار کام کرتے رہتے تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جن کو بس ایک ہی مقصد دکھائی دیتا تھا؛ کہ ہر ہندوستانی کو ٹکنالوجی سے فیض ملنا چاہیے۔ جو کوئی انھیں جانتا ہے وہ ان کی معصومیت، ایمانداری اور تنازعات میں صحیح راہ دکھانے کی صلاحیت کا قائل ہے۔

صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ان کی ذرائع ابلاغ کے ساتھ پہلی باقاعدہ ملاقات 19 دسمبر 2002 کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں ایڈیٹرس گلڈ آف انڈیا کے ساتھ ہوئی۔ یہ میٹنگ گلڈ کے صدر کی درخواست پر میں نے ہی منعقد کروائی تھی۔ ڈاکٹر کلام نے تحریکِ آزادی میں اور مابعدِ آزادی، جدید ہندوستان کی تعمیر میں ذرائع ابلاغ کے کلیدی کردار پر گفتگو کی۔ انھوں نے کہا، ''ہندوستان کی تحریکِ آزادی نے ملک میں بہت سے اخباروں کو جنم دیا جو کہ آزادی حاصل کرنے کی خواہش کو بیدار کرنے اور اس عریض و بسیط و متنوع ملک میں جذبۂ حریت مشتعل کرنے کا سبب بن گئے۔ انھوں نے ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ذرائع ابلاغ کے لیے یہ صحیح وقت ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنے دوسرے وژن۔ 'ترقی یافتہ ہندوستان' کا احساس دلانے میں اپنا کردار پھر سے دہرائیں۔ انھوں نے میڈیا کے نمائندوں کو یہ مشورہ دیتے ہوئے کچھ اسائنمنٹس دیے کہ انھیں کامیابی حاصل کرنے والوں کی جیت کا جشن بھی منانا چاہیے اور ہر بار منفی رپورٹنگ پر توجہ مرکوز نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کلام اور گلڈ کے اراکین کے درمیان آزادی کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوئے۔

6 نومبر 2006 کو نیشنل پریس ڈے کے موقع پر انھوں نے پریس کونسل آف انڈیا کی ایک تقریب کو خطاب کیا۔ انھوں نے اپنے خطبے کا عنوان ''میڈیا: اے پارٹنر ان نیشنل مشن'' (ذرائع ابلاغ: قومی مہم میں ایک ساجھیدار) رکھا۔ انھوں نے ذرائع ابلاغ کے عملے اور دیگر لوگوں کے مجمع سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا؛ 'میڈیا کو خبروں کا تجزیہ کرنے اور خیالات و احوال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنے کردار پر بھی تحقیق و تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ سماج کی فلاح و بہبود میں اپنا کردار متعین کر سکیں۔'' انھوں نے ذرائع ابلاغ سے کہا کہ وہ سو بھلے انسانوں کی تلاش کریں تاکہ معاشرے میں مثالی شخصیتیں ابھر کر آئیں۔

انھوں نے کہا کہ اب سے 2020 تک کا عرصہ قوم کے لیے کافی اہمیت کا حامل ہوگا۔ قومی

میڈیا کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کو ایک ارب لوگوں کے وسیلۂ اظہار میں تبدیل کرنے والا اور ملک کی ترقی کی راہ میں کلیدی کردار ادا کرنے والا حصہ دار بننا پڑے گا۔

اپنے مخصوص و منفرد انداز میں انھوں نے درج ذیل آٹھ نکاتی مشن ذرائع ابلاغ کو سونپا اور سب سے، اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے فعال طور پر سرگرم عمل ہونے کو کہا:

1۔ ہندوستان کو 2020 تک ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کے عزم کی ذرائع ابلاغ کی تحریک۔

2۔ ذرائع ابلاغ کو کامیاب لوگوں کا، خاص طور سے دیہی علاقوں میں، جشن منانا چاہیے۔

3۔ ذرائع ابلاغ کو بدعنوانی کے خلاف تحریک چلانا چاہیے اور بدعنوانی سے پاک، ہندوستان کے ارتقا میں مدد کرنا چاہیے۔

4۔ ذرائع ابلاغ کو معاشرے میں روشن خیالی کو فروغ دینے میں مدد کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایسی تعلیم رائج کی جائے جس میں اخلاق واقدار کا نظام ہو۔ مذہب روحانی قوت میں بدل جائے اور ملک کی اقتصادی خوشحالی کو یقینی بنایا جائے، جس کی بنیاد مختلف ریاستوں کے علاقائی وسائل اور اہلیت پر ہو۔

5۔ ذرائع ابلاغ کو خواتین کی عزت اور وقار کو یقینی بنانے کے لیے محنت کرنا ہوگی۔

6۔ اخباروں کے مالکان کو اپنے اخباروں کے تمام پرانے شماروں کی اسکیننگ اور ڈجیٹائیزیشن کرانے کی ہدایت دینا ہوگی اور فعال صحافیوں اور ذرائع ابلاغ عامہ کے طلبا کی تحقیقی سرگرمیوں کے لیے انھیں مہیا کرانا ہوگا۔

7۔ ذرائع ابلاغ کو ضابطۂ اخلاق کو فروغ دینا چاہیے تاکہ بغیر کسی تعصب وعنایت کے، خبروں کی منصفانہ اور آزاد کوریج کو یقینی بنایا جاسکے۔

8۔ ذرائع ابلاغ کو سنسنی خیز رپورٹنگ سے اجتناب کرنا ہوگا اور یہ بات یقینی بنانا ہوگی کہ رپورٹنگ حقیقت کے تجزیے اور چھان بین کے بعد ہی منظرِ عام پر آئے۔

جب بھی میڈیا کو راشٹرپتی بھون کی تقریبوں میں مدعو کیا جاتا تو وہ ان سے کھل کر بات چیت کرتے اور ان کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔ ایک بار انھوں نے ایک معروف آزاد پیشہ ور فوٹو

گرافر فدا علی سے ان کا کیمرہ لے لیا اور پوچھا کہ اس سے وہ اب تک کتنے فوٹوگراف کھینچ چکے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ "ہزاروں" تب ڈاکٹر کلام نے ان کی عمدہ فوٹوگرافی کی ستائش کی۔ کئی موقعوں پر بجائے اس کے کہ اہلِ ذرائع ابلاغ ان سے سوال پوچھیں، اُلٹے وہ خود ہی ان سے براہِ راست سوال کرنے لگتے۔

معروف مدیروں اور صحافیوں کے ساتھ ان کی آمنے سامنے کی میٹنگیں بھی ہوئیں، جو میں وقت بہ وقت منعقد کراتا تھا۔ ان ملاقاتوں میں ان کا بنیادی مقصد ان معروف مدیروں اور صحافیوں پر زور دینا ہوتا تھا کہ وہ اپنے جونیئر ابلاغ کے اہلکاروں کو تلقین کرتے رہیں کہ ترقی یافتہ ہندوستان بنانے کے اپنے نصب العین سے وہ غافل نہ ہوں اور اس مقصد میں وہ مشنری انداز سے سرگرمِ عمل رہیں۔

شاید وہ ہندوستان کے پہلے صدر تھے جنھوں نے بچوں کے ساتھ بڑی منفرد نوعیت کی ربط کاری کی۔ 2006 میں ملک نے اپنا ستاون واں یومِ جمہوریہ منایا۔ تب سی این این۔ آئی بی این اور راشٹرپتی بھون کے اشتراک سے مغل گارڈن کے لان میں 19 جنوری 2006 کو ملک بھر سے آئے بچوں کے ساتھ صدرِ محترم کی بات چیت اور مباحثہ منعقد کیا گیا۔ سی این این۔ آئی بی این کی معروف نامہ نگار انوبھا بھونسلے نے اس گفتگو کی میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ یہ پروگرام یومِ جمہوریہ کے موقع پر ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔ جسے دوسرے ٹیلی وژن چینلوں نے بھی دکھایا۔

ڈاکٹر کلام سے فی البدیہہ سوالات کیے گئے جن کے انھوں نے کسی بچے جیسے جوش و جذبے کے ساتھ جواب دیے۔ ان کی رحلت پر سی این این ٹیم کے ایک رکن راجن گار بادونے لکھا: "زندگی میں ایسے پل بھی آتے ہیں جب ہم کسی عظیم تر قوت سے منسلک محسوس کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک دن آپ اپنے آس پاس کی ہر شئے کی عظمت کے قائل ہونے لگتے ہو۔ اپنے احساسات کی، قدرت کی، لوگوں کی اور ہر اس ادنیٰ چیز کی، ستائش کرنے لگتے ہو جس کی آپ نے اس لمحے تک کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ جو کچھ بھی آپ کے پاس موجود ہے اس کے لیے آپ شکر گزار محسوس کرتے ہو اور کچھ بھلا کرنے کے بارے میں سوچتے ہو۔ 19 جنوری 2006 کو صدر کلام کو میں نے جب حقیقی طور پر روبرو دیکھا تو میرے لیے وہ ایک ویسا ہی لمحہ تھا۔

صدور اپنے عہدے پر مقررہ مدت کار تک رہتے ہیں۔ مگر میرے لیے اے پی جے عبدالکلام زندگی بھر کے لیے صدر تھے۔ صدرِ عزیز! خدا آپ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

7 مارچ 2006 کو ڈاکٹر کلام سے این ڈی ٹی وی کے روحِ رواں پرنوئے رائے کی قیادت میں ایک وفد ملا جن کے پاس این ڈی ٹی وی کے دو لاکھ سے زیادہ ناظرین کی عرضیاں بھی تھیں اور جس میں سنسنی خیز جیسکا لال قتل معاملے کے مقدمے کی دوبارہ سماعت کی درخواست کی گئی تھی۔ میٹنگ کے بعد، ڈاکٹر کلام نے وعدہ کیا کہ وہ اس معاملے میں ضروری اقدامات لیں گے۔ انھوں نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ لوگوں کے صدر ہیں۔ جو عوام کے مفاد میں آئینی حدود میں رہتے ہوئے جب بھی ضرورت پڑے گی وہ مداخلت کے لیے تیار رہیں گے۔ میٹنگ کے بعد، پرنوئے رائے نے کہا: "اتنے زیادہ کی توقع نہیں تھی۔ عرضداشتیں وصول کر کے انھوں نے سسٹم کو اور ملک کو ایک مضبوط پیغام بھیجا ہے کہ جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی ہوگی تو وہ سننے کے لیے تیار ہیں۔"

آخر کار اس معاملے میں انصاف ہوا اور ملزموں کو مجرم قرار دیا گیا۔ یہ ایک مثال تھی کہ ذرائع ابلاغ اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا اور قوم کے سربراہ اس کی حمایت کر رہے تھے۔

صحافت میں کارہائے نمایاں انجام دینے پر رام ناتھ گوینکا ایوارڈس کی 2007 میں ایک تقریب میں انھوں نے ذرائع ابلاغ کو ملک کی ترقی کے لیے سرگرمِ عمل ہونے کی ہدایت دیتے ہوئے ایک پُر جوش تقریر کی۔ انھوں نے ذرائع ابلاغ سے سنسنی خیزی سے پرہیز کرنے کو اور مثبت، بے خوف اور فعال ہو کر خبریں تیار کرنے کو کہا۔ صحافت قابلِ فہم زبان میں اظہارِ حقیقت کا نام ہے۔ ذرائع ابلاغ کو ایسا ماحول بنانا چاہیے جس سے مجموعی ترقی کے لیے تخلیقی کام ممکن ہو سکے۔

وہ پینل کے اراکین کے ساتھ اتنے زیادہ منہمک ہو گئے تھے کہ اپنے خطاب کے بعد انھوں نے سارے تکلفات کو برطرف کر دیا اور پینل کے مباحثے میں حصہ لیا جو ان کے خطاب کے بعد جاری ہوا تھا اور پھر غیر رسمی طور پر ڈائس کے ایک گوشے میں بیٹھ کر پینل کے شرکا کے ساتھ مباحثے میں شریک ہو گئے۔ اگلے روز جو تصویر ذرائع ابلاغ میں سامنے آئی وہ ہزار ہا لفظوں میں ان کی سادہ روی کی کہانی پیش کر رہی تھی۔

شروع میں ''پیپلس پریزیڈینٹ'' (عوام الناس کے صدر) کی عرفیت سب سے پہلے انھیں ذرائع ابلاغ نے دی تھی۔مگر بعد میں، پورے ملک میں یہ اصطلاح گھر گھر میں استعمال کی جانے لگی۔اس سے متعلق اس کتاب کے باب بعنوان 'عوام الناس کے صدر: ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام' میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جا چکی ہے۔معروف صحافی شیلا ریڈی نے لکھا تھا: ''سیاسی طور پر معصوم سمجھے جانے والے ڈاکٹر کلام نے جب عہدۂ صدارت سنبھالا تو اس میں ایک نیا جوش عطا کر دیا، ملک بھر میں جہاں کہیں وہ جاتے تھے، ملکی وعلاقائی میڈیا ان کا پیچھا کیا کرتا تھا۔وہ ہمیشہ انھیں اپنے ایسے بیانات کے ذریعہ نوازا کرتے تھے جن سے اچھی خبروں کی سُرخیاں بن جاتی تھیں۔ذرائع ابلاغ سے انھوں نے کبھی گریز نہیں کیا۔اپنی مدتِ کار کے آخری دن بھی انھوں نے سی این این آئی بی این کے راجدیپ سردیسائی کے ساتھ راشٹرپتی بھون کے مغل گارڈن اور ہربل گارڈن میں چہل قدمی کرتے ہوئے بات چیت کی۔''

2006 میں شمال مشرق کے دورے کے دوران انھوں نے این ای ٹی وی (نارتھ ایسٹرن ٹی وی) کو ایک طویل انٹرویو دیا۔یہ انٹرویو میں نے اَیزاول کے راج بھون میں منعقد کروایا تھا اور محترمہ منورنجنا سنگھ نے انٹرویو لیا تھا۔یہ انٹرویو بیک وقت پورے شمال مشرق میں نشر ہوا تھا۔

انھیں سے ایک سوال پوچھا گیا: ''کیا آپ ان چند پروگراموں کی فہرست بیان کر سکتے ہیں جن کو آپ نے شروع کیا اور آپ کو بہت اطمینان ملا ہو، جیسے مثال کے طور پر پی یو آر اے؟''

جواب میں ڈاکٹر کلام نے درج ذیل پروگراموں کا تذکرہ کیا:

دیہی ترقیات: وزارت برائے دیہی ترقیات نے پی یو آر اے (پروائیڈنگ اربن ایمی نٹیز اِن رُورل ایریاز) یعنی دیہی علاقوں میں شہری سہولیات فراہم کرنا، کے تحت ملک بھر میں ایسے گروپ بنانے کا منصوبہ بنایا۔بہت سے نجی تعلیمی و معاشرتی تنظیمیں پی یو آر اے کو لے کر سرگرمِ عمل ہیں تا کہ دیہاتوں کے گروپوں کی تشکیل کر کے ان کی ترقی کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

توانائی کے ضمن میں پہل: پانچ ریاستوں نے بایو ڈیزل ایندھن کی پیداوار کے لئے جتروپھا شجر کاری کے منصوبے پر عمل کیا۔توانائی کی پالیسی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔میں متبادل وسائل کے فروغ پر کام کر رہا ہوں۔

نالج گرڈ / معلوماتی کٹہرا: نیشنل نالج کمیشن (این کے سی) یعنی قومی معلوماتی کمیشن ملک بھر میں ایک معلوماتی کٹہرا قائم کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے، جس کے تحت تقریباً پانچ ہزار تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور کالجوں کو ایک نیٹ ورک میں باندھا جائے گا۔ جہاں 100 ایم بی پی ایس نیٹ ورک دستیاب ہو۔

ورچوئل یونیورسٹی / مجازی یونیورسٹی: تین، 150 سالہ پرانی یونیورسٹیوں نے ایک مجازی یونیورسٹی کی ابتدا کی ہے اور میں نے اس کا افتتاح کیا تھا اور اس کے 20,000 طالب علموں کو عکسی کلاس روموں کے توسط سے خطاب بھی کیا تھا۔

دیہاتی علمی مراکز: وزارت برائے مواصلات اور معلوماتی ٹکنالوجی نے عام خدماتی مراکز کی ابتدا کی تا کہ اضافہ شدہ مالیت پر مبنی محصول کی بنیاد پر دیہاتی شہریوں کو ضروری سامان بہم پہنچانے کا بندوبست کیا جا سکے۔

ای گورنس: قومی شناختی کارڈ قائم کرنا اور ایک ایسا الیکٹرونک کٹہرا تعمیر کرنا جو جی ٹو جی (سرکار سے سرکار تک) اور جی ٹو سی (سرکار سے شہریوں تک) خدمات مہیا کر سکے۔ ہندوستان کی حکومت نے جی ٹو سی ای گورنس خدمات کے لیے 23,000 کروڑ روپے مختص کرنے کا اور ایک اسٹیٹ وائڈ ایریا نیٹ ورک قائم کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

9 اکتوبر 2005 کو ڈاکٹر کلام نے ہندوستانی خواتین پریس نمائندگان کی 11 ویں سالگرہ کی تقریب کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری خبروں کی رپورٹنگ عموماً شہری نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے ذرائع ابلاغ کے سامنے دیہی علاقوں تک پہنچنے کا چیلنج درپیش ہے۔ انھوں نے مزید یہ بھی کہا کہ ''ذرائع ابلاغ کو قوم کی ترقی کی راہ میں ایک فعال ساتھی بننا پڑے گا۔'' انھوں نے ذرائع ابلاغ سے زور دے کر کہا کہ وہ مثبت کہانیوں کو سرخیوں میں جگہ دیں۔ اور کامیاب افراد کی جیت کا جشن منائیں۔ مثال کے طور پر، 'کہیں نامیاتی کاشت کاری کا نیا تجربہ کیا جا رہا ہو یا گیہوں یا چاول کی پیداوار میں اضافہ ہو تو یہ بڑی خبر ہونا چاہیے۔'

انھوں نے کہا، ''میں ہندوستانی اخباروں، خبر رساں ایجنسیوں اور برقیاتی ذرائع ابلاغ کو یہ مشورہ دوں گا کہ ہندوستان کے اندر ہو رہے نامہ نگاروں اور صحافیوں کے تحقیقی کاموں کی حوصلہ افزائی

کریں۔ان تعلیمی اور تحقیقی اداروں یا ذرائع ابلاغ کے مراکز میں کی جارہی تحقیقی کاوشوں سے یقینی طور پر رپورٹنگ کے معیار میں اور تجزیہ نگاری میں بہتری آئے گی۔مثال کے طور پر،غیر ملکی اخبارات کسی معاملے پر اظہارِ خیال کرنے سے پہلے وہ اس کو اپنے اندرونی تحقیقی گروپ کے پاس بھیجتے ہیں جہاں اعداد وشمار کا مطالعہ کیا جاتا ہے،باتوں کی تصدیق کی جاتی ہے اور سچی خبر تیار کی جاتی ہے اور پھر اسے نشر واشاعت کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔جب ہندوستان کو آؤٹ سورسنگ کرنے کے بارے میں فیصلے کی گھڑی آئی تو ایک امریکی صحافی ہندوستان میں آکر ٹھہر گیا اور اس نے اس مسئلے کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور پایا کہ جو کمپنیاں آؤٹ سورسنگ پروسس کے کاروبار میں مصروف عمل ہیں وہ انگلینڈ اور امریکہ سے درآمد کیے ہوئے آلات استعمال کررہی ہیں۔اس طرح اس نے پتہ لگالیا کہ بی پی او صنعتوں (یعنی بزنس پروسس آؤٹ سورسنگ صنعتوں) نے امریکہ کی ہارڈویئر صنعتوں کے لیے ایک بالواسطہ بازار فراہم کردیا ہے۔فوراً ہی یہ خبر ہندوستان اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ میں بڑے پیمانے پر رپورٹ بن گئی۔اسی طرح ڈسکوری چینل کے صحافی تھامس فریڈ مین ہندوستان کی اطلاعاتی ٹکنالوجی کے ارتقا کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے۔وہ ہندوستان آئے اور ایک ماہ تک رکے اور انھوں نے ملک میں کئی مقامات کے دورے کیے۔اپنے مشاہدوں اور تجزیوں کی بنیاد پر انھوں نے ایک کتاب بعنوان 'دی ولڈ اِز فلیٹ' لکھی۔یہ کتاب نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا بھر میں مشہور ہوئی۔تحقیق کی طاقت ایسی ہوتی ہے۔"

2جون 2007 کو،صدر کلام دہلی میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا (پی ٹی آئی) کے صدر دفتر گئے اور وہاں پی ٹی آئی بورڈ کے اراکین اور دوسرے پی ٹی آئی صحافیوں سے گفتگو کی۔انھوں نے بورڈ کے اراکین کو یہ مشورہ دیا کہ پی ٹی آئی کو انگریزی اور ہندی کے علاوہ دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی خبریں فراہم کرنے پر غور کرنا چاہیے۔انھوں نے مزید مشورہ دیا کہ وہ جدید ٹکنالوجی کا استعمال کریں تاکہ خبروں کے متن کے ساتھ خبروں کی ویڈیو کلپنگ بھی مہیا رہے۔انھوں نے ایک اخبار کی اس بات کی تعریف کی کہ خبر کی صداقت کی جانچ پڑتال کرنے اور نیوز رپورٹنگ کی معیار بندی کے لیے انھوں نے خصوصی طور پر مشیروں کی تقرری کی تھی۔اس کے علاوہ،انھوں نے پی ٹی آئی کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ صحافیوں کو شمال مشرقی ریاستوں،جموں وکشمیر اور انڈمان ونکوبار جزائر اور اتراکھنڈ ہماچل پردیش اور دیگر نسبتاً ناقابلِ

ذرائع ابلاغ کے ایک طبقے نے ڈاکٹر کلام پر تنقید کی تھی جب انھوں نے معروف سیاسی سربراہان (تیسرے محاذ کے اراکین) کی گزارش پر غور کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اگر یہ یقینی ہو کہ وہ جیت جائیں گے۔

ذرائع ابلاغ کے چند ناقدین نے تبصرہ کیا کہ اس باران کے نام پر اتفاقِ رائے پیدا کرنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ کچھ سیاسی رہنما انھیں باور کرار ہے ہیں اور اگر کوئی انتخاب ہوتا ہے تو بھی انھیں کوئی تیسرے محاذ کے امیدوار کے طور پر 'جیت کی یقینیت' کا بھروسہ نہیں دلا سکتا۔ این ڈی اے کی حمایت مل بھی جائے تو بھی ہندسوں کا کھیل ان کے حق میں نہیں تھا۔ کسی نے تبصرہ کیا، یہاں، ان کے جیسا بھلا آدمی یہ کیا کر رہا ہے، سیاسی کھیلوں کا حصہ بن رہا ہے؟

کچھ صحافیوں نے تنقید کی کہ ڈاکٹر کلام اقتدار کے بھوکے ہو گئے ہیں۔ مگر میڈیا میں دوسرے لوگ بھی تھے جن کا کہنا تھا کہ یہ بھوک الگ قسم کی تھی۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ایک صدر کے طور پر وہ سیاستدانوں اور دیگر لوگوں کو 'ترقیات' کے ایجنڈے پر توجہ مرکوز رکھنے کی بہتر طور پر ترغیب دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کلام اکثر کہا کرتے تھے، ''میں چاہتا ہوں کہ ایک سیاسی جماعت اپنے منشور میں کہے، 'ہم اس ملک کو سات برس کے اندر بدل کر رکھ دیں گے، اور دوسری جماعت کہے، 'نہیں، ہم ملک کو محض پانچ برس میں ترقی کی منزل سے دوچار کر دیں گے!'''

بہر کیف، ڈاکٹر کلام نے مجھے بتایا تھا کہ دوسری مدتِ کار کے لیے وہ قطعی آرزومند نہیں تھے۔ دراصل وہ سینئر سیاسی لیڈروں کو جو سیاسی جماعتوں سے بالاتر ہو کر جب ان کے پاس آئے اور انھیں، اگر وہ الیکشن لڑیں تو اپنی حمایت آفر کی، تو ایسی صورتِ حال میں پہلی بار میں، اخلاقی طور پر وہ، انھیں 'نہ' نہیں کہہ سکے۔

انھوں نے اپنے سامعین کو 2006 ہی میں حیدرآباد میں ایک پروگرام کے دوران بتایا تھا کہ وہ اپنے عہدِ صدارت کی مدتِ کار کے اختتام کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ اس کے بعد درس و تدریس کے میدان میں چلے جائیں گے جو ان کی زندگی کا پہلا پیار اور والہانہ شوق رہا ہے۔

حقیقت میں وہ بہت عرصہ پہلے ہی یہ ارادہ کر چکے تھے کہ جولائی 2007 کے بعد وہ کیا کرنے والے ہیں۔

بے شک، ڈاکٹر کلام بڑے رجائیت پسند انسان تھے اور انھیں پورا اعتماد تھا کہ وہ اپنالائحۂ عمل ہر حال میں سامنے رکھیں گے، چاہے وہ راشٹر پتی بھون میں رہیں یا نہ رہیں۔

''جہاں بھی میں ہوتا ہوں، جہاں بھی میں جاتا ہوں، میں اپنے خیالات کو فروخت کر سکتا ہوں۔ میرا بس ایک ہی ایجنڈا ہے کہ میں مسلسل محنت کروں اور اس بات کو سب تک پہنچادوں کہ کیسے ہندوستان میں غریبی دور کی جاسکتی ہے۔ میں عوام کے سبھی طبقوں سے سیاسی نظام سے بالاتر ہو کر، یہی سب کرنے کے لیے کہتا ہوں۔''

ڈاکٹر کلام نے 20 جولائی کو راشٹر پتی بھون میں خصوصی طور پر ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے لیے اپنی سبکدوشی سے کچھ دن پہلے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ اس موقع پر ذرائع ابلاغ سے منسلک تقریباً تین سو افراد نے شرکت کی اور انھیں پُر خلوص انداز میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ الوداع کہا۔

2007 میں اپنے عہدے سے دستبردار ہونے کے بعد بھی وہ اپنے مشن پر اسی جذبے اور جوش کے ساتھ سرگرمِ عمل رہے۔

عہدِ مابعد صدارت

25 جولائی 2007 کو وہ ہندوستان کے عہدۂ صدارت سے دستبردار ہو گئے لیکن ڈاکٹر کلام کی ہردلعزیزی ویسی ہی رہی جیسے پہلے تھی۔ نوجوانوں کے ساتھ مباحثہ کرنے اور انھیں بڑے خواب دیکھنے کو اکسانے کے لیے، جوان کا سب سے پسندیدہ مشغلہ تھا، وہ اب پہلے کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ آزاد ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ''2020 تک ایک ترقی یافتہ ہندوستان'' کے نصب العین کو آگے بڑھانے کی خاطر، طلبا اور دیگر لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایک بار پھر ملک بھر میں سفر کرنے کا منصوبہ بنایا۔

ڈاکٹر کلام اپنا زیادہ سے زیادہ وقت یونیورسٹیوں کے طلبا اور تعلیمی تنظیموں کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ اَنا یونیورسٹی چنئی، آئی آئی ٹیز، آئی آئی ایمز، جی بی پنت یونیورسٹی آف ایگریکلچر اینڈ ٹکنالوجی، بنارس ہندو یونیورسٹی اور دیگر جگہوں سے انھیں درس و تدریس کے کاموں کے آفر مل رہے تھے۔ انھوں نے ایک بار کہا تھا، ''میرا مدت کار پورا ہونے کے بعد میری زندگی کا مشن اور بھی وسیع تر ہو چکا ہے۔'' عہدۂ صدارت سے دستبردار ہو جانے کے بعد ایک ترقی یافتہ ہندوستان کے ان کے مشن کی ترغیب دینے کے سلسلے میں یکساں طور پر طالب علموں، سائنس دانوں، صنعت کاروں، کسانوں اور دانشوروں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے بڑے پیمانے پر سفر کرنا

شروع کر دیا۔ انھیں کئی غیر ممالک کی حکومتوں اور یونیورسٹیوں سے اہم تقریبات کے موقعوں پر طلبا اور سائنس دانوں سے مباحثوں کے لیے کئی دعوت نامے موصول ہوئے تھے۔

15 اگست 2007 کو ان کے عہدۂ صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد پہلے یوم آزادی پر انھوں نے آئی آئی ٹی، حیدرآباد میں ہزاروں طلباً کی موجودگی میں قومی جھنڈا لہرایا۔

مابعدِ عہدِ صدارت کے دنوں میں، دو موقعوں پر جب حکومتِ ہند کے سامنے بحران کی صورتِ حال پیدا ہوئی تو انھوں نے قومی مفاد میں، ملک کو بحران کی حالت سے نکالنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

ہندامریکی جوہری توانائی کا معاہدہ خطرے میں پڑ گیا تھا، آئی اے ای اے (بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی) کے ساتھ حفاظتی معاہدے پر دستخط کرنے سے پہلے بائیں بازو کی جماعتوں نے جو یو پی اے حکومت کو باہر سے حمایت دے رہی تھیں، سرکار کی حمایت واپس لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس لیے کہ وہ اس معاہدے کے خلاف تھیں، چنانچہ 22 جولائی 2008 کو یو پی اے حکومت کو لوک سبھا میں اعتماد کے ووٹ کا سامنا کرنا تھا۔ یو پی اے اب ساجوادی پارٹی کی حمایت پر انحصار کر رہی تھی جو خود جوہری معاہدے پر اور اسی طرح اس مسئلے پر حکومت کی حمایت کے موقف پر تذبذب کا شکار تھی۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ اگر اس ضمن میں ڈاکٹر کلام کے ساتھ بات کرنے کے بعد ہندوستان کے لیے اس معاہدے کی افادیت سے وہ مطمئن ہو جائیں گے تو وہ اس معاہدے اور سرکار کی حمایت کریں گے۔ لہٰذا معاملے کو سمجھنے کے لیے، ساجوادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو اور سینیئر لیڈر شری امر سنگھ ڈاکٹر کلام سے ان کی رہائش گاہ 10، راجاجی مارگ، نئی دہلی ملنے گئے اور اس معاہدے کی خوبیوں اور خامیوں پر بات کی۔ ڈاکٹر کلام نے ان سے کہا کہ جوہری معاہدہ ہندوستان کے حق میں ہے اور اس کے بغیر، ہندوستان کا جوہری توانائی کا پروگرام مشکل میں پڑ جائے گا۔ اس معاہدے سے ملک میں یورینیم کی کمی بھی دور ہوگی، جو ایک کامیاب جوہری توانائی پروگرام کے لیے ضروری تھی۔ ڈاکٹر کلام کے دلائل سے مطمئن ہو کر ساجوادی پارٹی نے حکومت کی حمایت میں ووٹ ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور اس وقت کی یو پی اے حکومت نے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا اور 2009 میں اگلے انتخابات تک یہ چلتی رہی۔ اس طرح ایک بڑا بحران ٹل گیا۔

دوسرا اہم معاملہ تمل ناڈو میں کُنڈن کُلم مقام پر زیر تعمیر جوہری توانائی پلانٹ سے متعلق تھا۔ قومی اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کی حمایت سے مقامی دیہی باشندوں نے 17 اکتوبر 2011 کو روسی تعاون سے تعمیر کیے گئے جوہری توانائی پلانٹ کے کام کو فوری روک دینے کی مانگ کی۔ ان لوگوں کو خدشہ تھا کہ وہاں سُنامی کے بعد فوکوشیما، جاپان جیسی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر کلام نے حفاظتی پُرزہ کاری و بندوبست اور ہندوستان میں جوہری توانائی تنصیبات کی ضرورت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور حفاظتی پُرزہ کاری اور میکانزم کی خصوصیات سے لیس جوہری توانائی پلانٹ کو جاری رکھنے کے جواز کے ساتھ اخباروں میں مضامین لکھے۔

وہ اس جگہ خود بھی گئے اور سائنسدانوں اور پلانٹ کے اطراف کے لوکل لوگوں سے ملاقات کی۔ اُن کی ٹیم نے پلانٹ کے حفاظتی معیاروں کا جائزہ لیا۔ وہ بالکل مطمئن ہو گئے کہ پلانٹ جدید ترین تحفظاتی معیارات کی تکنالوجی سے لیس کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے حکومت کو بھی مشورہ دیا کہ اس پلانٹ میں پیدا ہونے والی توانائی سے ہونے والے منافع کا 2 فیصدی، علاقے کی ترقی کے لیے مختص کیا جانا چاہیے۔ یہ دوسرا بڑا بحران تھا جو ڈاکٹر کلام کی بروقت مداخلت کے باعث حل ہو گیا۔

مَیں نئی دہلی میں ان کی رہائش گاہ پر مابعدِ صدارت کے دنوں میں اکثر جایا کرتا تھا۔ وہ مجھے جب ضرورت پڑتی تو میٹنگوں کے لیے بلا لیا کرتے تھے۔ عہدۂ صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد ڈاکٹر کلام نے کئی غیر ملکی ٹور کیے۔ درحقیقت صدر کی حیثیت سے دوروں سے زیادہ سفر انھوں نے اب کیے تھے۔ ہندوستان کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز سائنسداں صدر ملک کے لیے خیر سگالی کے بین الاقوامی سفیر کے جیسی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔

ستمبر 2007 میں اپنے صدارتی دور کے بعد ان کا پہلا بیرونِ وطن سفر امریکہ کا تھا، جہاں سان فرانسسکو میں، کیلی فورنیا یونیورسٹی نے انھیں مدعو کیا تھا۔ حالانکہ ان کی مدتِ صدارت کے دوران انھوں نے امریکہ جانے میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ شاید، وہ بطور صدرِ مملکت امریکہ جانے سے گریزاں تھے۔ شاید اس کا تعلق 1988 میں ان کی قیادت میں کیے گئے ہندوستان کے ایٹمی تجربات کے بعد امریکہ کی جانب سے لگائی جانے والی پابندیوں سے تھا۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی

کے بعد وہ اسٹین فورڈ یونیورسٹی بھی گئے۔ اس یونیورسٹی میں ایک مجمع سے مخاطب ہو کر انھوں نے کہا، ''ہندوستان کا مقدر ہے کہ دنیا کو دکھائے کہ معاشی نمو کو کیسے بڑھاوا دیا جائے تا کہ سماجی مساوات پروان چڑھ سکے۔ دنیا میں تین ارب لوگ غریب ہیں۔ دنیا کی آبادی کے چھٹے حصے کے طور پر جب ہم کوئی اپنے یہاں تبدیلی لاتے ہیں تو اس کا فائدہ تمام دوسرے ممالک کو بھی ضرور پہنچے گا۔''

لاس اینجلس میں انھوں نے دی ولڈ اسپیس کانفرنس (عالمی خلائی اجلاس) سے بھی خطاب کیا تھا۔ یہ کانفرنس خلائی تلاش و تحقیق کے پچاس برس پورے ہونے پر پُر وقار کالٹیک یونیورسٹی نے منعقد کرائی تھی۔ وہاں اکٹھا ہونے والے خلائی سائنسدانوں کو مخاطب کر کے ڈاکٹر کلام نے کہا، ''گذشتہ پانچ دہوں کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ کیسے خلائی پروگرام کی کامیابی اور ناکامی کُرۂ ارض پر ملکوں کو جوڑتی ہے۔ جب بھی خلا میں کوئی بڑا واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، جیسے انسان کی چاند پر پہنچ، ہم گردز مین مدار میں نصب کیے جانے والے برقی ابلاغ کے لیے کارآمد مصنوعی سیارچوں کا پہلا سلسلہ یا قطبی مدار میں دور سے محسوس کرنے والے مصنوعی سیارچے یا ناسا کے خلانورد بشمول سنیتا ولیمس، کسی برستی بارش والے دن کرۂ ارض پر لوٹتے ہوئے، یہ سب واقعات سیارۂ ارض میں بسنے والے تمام خاندانوں اور بچوں کا دھیان اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔''

نومبر 2007 میں وہ ''دی انسٹی ٹیوٹ آف سائنس'' کے مدعو کرنے پر انڈونیشیا تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر کلام نے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان بہت سی مشترکہ باتیں موجود ہیں۔ پھر بھی، انھوں نے بڑی حیرانی کا اظہار کیا کہ کیسے کچھ دہوں سے دونوں ملکوں کے درمیان رشتوں میں کمزوری آئی ہے۔

27 فروری 2008 کو انھوں نے اسرائیل میں ایرو اسپیس سائنسس پر سالانہ کانفرنس سے خطاب کیا۔ انھوں نے ''ولڈ اسپیس کاؤنسل'' کو بڑے پیمانے پر سماجیاتی مشنوں کو چلانے اور سستے در سے خلائی سہولیات مہیا کرنے پر زور دیا۔

مارچ 2008 میں انھیں بارہویں سالانہ دھارٹن انڈیا اکونومک فورم میں دھارٹن اسکول آف فلاڈیلفیا، یو ایس اے میں بلایا گیا۔ اس کانفرنس کا تھیم ''انڈیا، آئی ایمن' تھا۔ یعنی ''میرے تصور کا ہندوستاں''۔ ڈاکٹر کلام نے اپنی ''2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان'' کی مہم کے بارے

میں تقریر کی ۔انھوں نے 2030 تک کیسے ہندوستان توانائی کے معاملے میں خود کفیل بن سکتا ہے،اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی۔

جون2008 میں یو کے میں لیورپول یونیورسٹی نے انھیں گلوبل یوتھ کانگریس"بگ ہوپ" کو خطاب کرنے کے لیے مدعو کیا تھا۔ڈاکٹر کلام کولندن میں رائل سوسائٹی نے"رائل سوسائٹی کنگ چارلس دوئم میڈل" سے نوازا۔یہ میڈل انھیں انگلینڈ میں ممتاز دمعروف ہندوستانیوں لارڈ کرن بلی موریا،لارڈ سوراج پال اور لارڈ میگھ نادد یسائی کی موجودگی میں عطا کیا گیا۔انگلینڈ کی رائل سوسائٹی کے صدر لارڈ مارٹن ریز نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

"صدر کلام نے ہندوستان کی سربراہی اس وقت کی جب ملک میں سائنس اور ٹکنالوجی پر سرمایہ کاری میں زبردست اضافہ ہو چکا تھا۔انھوں نے ہندوستان کو ترقی پذیر سے ترقی یافتہ ملک میں تبدیل کرنے کا خاکہ بنا کر اپنا ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے۔بطور ایک سائنسداں بھی انہوں نے خود اپنے ملک میں بڑی سائنٹیفک پیش رفتوں کی شکل میں عظیم خدمات سرانجام دی ہیں۔"

جولائی2008 میں وہ بنگلہ دیش تشریف لے گئے اور ڈھاکا میں یونیورسٹی آف آئی آئی ٹی اور سائنسس کے پہلے جلسۂ تقسیمِ اسناد میں خطاب کیا۔وہ نوبیل انعام یافتہ محترمی محمد یونس سے ملے اور بنگلہ دیش میں گرامین بینکوں کی کارکردگی سے متعلق ان سے تفصیل سے بحث کی تا کہ ویسا نظام ہندوستان میں بھی نافذ کیا جا سکے۔بنگلہ دیش کے صدر ظلّ الرحمن اور وزیر اعظم محترمہ شیخ حسینہ واجد نے ان کے اعزاز میں آفیشیل بینکویٹ کا اہتمام کیا۔

ملیشیا کے وزیرِ اعظم جناب احمد بداوی نے انھیں اگست 2008 میں ملیشیا کی آزادی کی 50ویں سالگرہ پر مدعو کیا۔وہ پی نانگ میں جارج ٹاؤن میں وہاں کی ہندوستانی کمیونٹی سے ملنے کے لیے بھی تشریف لے گئے ۔یونیورسٹی آف سائنسس ،ملیشیا نے ڈاکٹر کلام کو ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔

مارچ2009 کو دبئی میں منعقدہ تقریب بعنوان"بنا سرحدوں کی تعلیم"میں انھوں نے120 ملکوں سے آئے طلبا کے ایک بڑے اجتماع کو خطاب کیا۔

28اپریل2009 کو انھیں نیویارک میں کولمبیا یونیورسٹی میں خدمتِ خلق کے لیے قابلِ

احترام ہُور میڈل سے نوازا گیا۔ اس ایوارڈ کے ساتھ وہ درخشاں شخصیات کی لیگ میں شامل ہو گئے، جس میں امریکہ کے تین سابق صدور شامل تھے۔ ہُور میڈل حاصل کرنے والے وہ پہلے ایشین تھے۔ یہ اعزاز میکینکل انجینیئروں کی ایک امریکی سوسائٹی کے ذریعہ 1930 سے ہر سال دیا جاتا رہا ہے۔ اعزاز قبول کرتے ہوئے انھوں نے جدید سوسائٹی کو درپیش چیلینجوں کے بارے میں بات کی۔ یو ایس اے کے اسی سفر کے دوران بل گیٹس نے انھیں مائکروسافٹ کے ماہروں کے عملے، اور سیائٹل میں بل اور میلنڈا گیٹس فاؤنڈیشن کی ٹیم سے ملاقات کرانے کے لیے مدعو کیا۔ ڈاکٹر کلام نومبر 2002 میں بل گیٹس سے ملے تھے، جب وہ صدر تھے۔ اس وقت ان کی ملاقات کو قومی اور بین الاقوامی میڈیا میں ''بلند مرتبت اذہان کی ملاقات۔ دنیا کی سب سے بڑی سافٹ ویئر کمپنی کے سربراہ کی ایک تکنیکی بصیرت والے صدر کے ساتھ ملاقات'' کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر کلام ستمبر 2011 میں ہارورڈ بزنس پول میں اپنا لیکچر پیش کرنے کے لیے گئے تھے۔ انھوں نے وہاں دنیا کے تین سو کروڑ لوگوں کی فلاح و بہبود کی اسکیموں پر اپنے خیالات وافکار کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر کلام 2012 میں کینیڈا تشریف لے گئے۔ انھوں نے اوٹاوا میں کارل ٹن یونیورسٹی میں ایک لیکچر دیا اور وینکوور میں سائمن فریزر یونیورسٹی سے ڈاکٹوریٹ کی اعزازی سند موصول کی۔

ٹورینٹو میں ڈاکٹر کلام وہاں کے سوامی نارائن مندر تشریف لے گئے اور مندر میں واقع انڈو کینیڈین ثقافتی ورثے کا میوزیم بھی دیکھا۔ اس کے بعد انھوں نے یونیورسٹی آف ٹورینٹو میں ہندوستان کے خلائی پروگرام سے متعلق تقریر کی۔

2012 بیجنگ فورم میں خصوصی خطبے کے لیے انھیں مدعو کیا گیا تھا۔ ان کی دو کتابیں، ''دھنکس آف فائیر'' اور ''گائڈنگ سُولس'' پہلے منڈیرین میں شائع ہو چکی تھیں۔ فورم میں یو این سکریٹری جنرل بانکی مون کی موجودگی میں انھوں نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر کلام نے اپنے ''2020 کے منصوبۂ فروغ ہندوستان'' کے رفتہ رفتہ عالمی ترقی کی شکل میں نفاذ کے لیے اپنی ''قابلِ زیست کرۂ ارض کی بصیرت'' کو ساجھا کیا۔

بعد میں چائنا ایئروا سپیس سائنس اور ٹکنالوجی کارپوریشن (سی اے ایس سی) کے زیرِ نگرانی

چینی خلائی ایجنسی بنام چینی اکادمی برائے اسپیس ٹکنالوجی، تشریف لے گئے۔ اس کارپوریشن نے ڈانگ فینگ ہانگ مصنوعی سیارچوں کی تعمیر وتشکیل کی۔ وہ چینی عوام کے خارجہ امور کی انجمن کی اراکین سے بھی ملے۔

2013 میں یو ایس اے کی قومی خلائی سوسائیٹی نے سان دیاگو، کیلی فورنیا میں واقع بین الاقوامی خلائی ترقیاتی اجلاس میں انھیں وارنہر وان بُرون میموریل ایوارڈ سے سرفراز کیا۔ انھوں نے'' خلائی شمسی توانائی: قابلِ زیست کرۂ ارض کی کلید'' کا بصیرت افروز خاکہ، سرکردہ خلائی سائنسدانوں کے مجمع کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایوارڈ وان بُرون کی یاد میں دیا جاتا ہے جنھوں نے انسان کو چاند پر لے جانے والا راکٹ تعمیر کر کے ایک ہیرو کا درجہ پایا تھا۔

اس دور میں ڈاکٹر کلام نے جن دوسرے ملکوں کا دورہ کیا وہ نیدر لینڈ، ریپبلک آف کوریا، فن لینڈ، آئیر لینڈ، تائیوان، روس، آسٹریلیا، نیپال اور شری لنکا ہیں۔ یہ سب دورے انھوں نے تعلیمی و تحقیقی اداروں، سرکاری تنظیموں اور مختلف ممالک کے دانشوروں کی دعوت پر کیے۔ انھوں نے 2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان کے لائحۂ عمل کے خط وخال کو ساجھا کیا اور ان کاموں میں اخلاقیات پر مبنی تعلیم اور باہمی معاشی ترقی کے لیے دوسرے ممالک کی حصہ داری کی اہمیت کو واضح کیا۔

ان ممالک میں اپنے سامعین سے کہا کہ تعلیم اور معاشی ترقی ہی تمام معاشرتی مسائل کے حل کے لیے کنجی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پوری دنیا میں تیز رفتاری سے شہر کاری ہو رہی ہے، ہندوستان اس میں استثنا نہیں ہے۔ ہمیں انتخاب کرنا ہے کہ دیہی علاقوں میں شہری سہولیتیں فراہم کرائیں یا پھر پورے سلیقے سے شہر کاری کے بندوبست میں مصروف بکار ہو جائیں۔ کیونکہ شہروں اور قصبوں میں پیش آنے والے روزمرہ کے مسائل کی شدت، دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔

عہدِ مابعدِ صدارت میں انھوں نے اندرونِ وطن تقریباً 1500 پروگراموں میں شرکت کی ان کے انڈیا 2020 کے وژن کو عام کرنے کی مہم پورے عزم اور جوش وخروش کے ساتھ ان کی آخری سانس تک جاری وساری رہی۔

17 جون 2008 کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سالانہ جلسۂ تقسیمِ اسناد کے موقعے پر

مہمانِ خصوصی کے طور پر انہیں مدعو کیا گیا۔ اس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر عبدالعزیز میرے ساتھ انھیں مدعو کرنے کے لیے گئے۔ معروف صنعت کار عظیم پریم جی مہمانِ ذی وقار تھے۔ طلبا کے بڑے مجمع کو ڈاکٹر کلام نے خطاب کیا۔ علی گڑھ کے دیگر اسکولوں کے طلباً بھی اس پروگرام میں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ''کسی بھی نوجوان کو مستقبل کے بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' انھوں نے شاعر مجازؔ کے تحریر کردہ مشہور ''علی گڑھ ترانہ'' کا حوالہ دیا اور کہا کہ'' آپ کی یونیورسٹی کے اتنے اولوالعزمی سے پُر ترانے کے ہوتے ہوئے، آپ کسی بھی مصیبت کو شکست دے سکتے ہو اور کامیاب ہو سکتے ہو۔'' اس تقریب میں، خود میں بھی وہاں موجود تھا اور دیکھ رہا تھا کہ یونیورسٹی کا پورا کینیڈی ہال پُر شباب قوت سے گونج رہا تھا۔

اسی دن علی گڑھ سے واپس ہوتے ہوئے، سڑک سے نئی دہلی کے راستے میں وہ خورجہ میں، میرے گھر، میرے والدِ محترم پروفیسر محمد اقبال خان مرحوم اور میرے دیگر عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے پہنچے۔ میرے والد صاحب ایک معروف وکیل اور قانون کے پروفیسر رہے تھے لیکن ان دنوں پار کنسن کے عارضے سے معذور ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر کلام نے ان کے اور دیگر فیملی کے اراکین کے ساتھ ایک گھنٹہ بتایا۔ میرے والد پہلے بھی راشٹرپتی بھون میں ڈاکٹر کلام سے ملاقات کر چکے تھے۔ جب انھوں نے بہت سے موضوعات پر گفتگو کی تھی، جن میں ہربل فارمنگ (ادویات کی کاشتکاری) پر بات چیت بھی ہوئی۔ خورجہ میں وہ ایس آر پاٹریز بھی پہنچے، جس کے مالک جناب راشد حسین خاں ہیں جو میرے خسرِ محترم ہیں۔ انھوں نے وہاں ان صنعت کاروں سے خطاب کیا اور چینی مٹی کی اشیاء سے متعلق صنعت کے مستقبل اور درپیش مسائل کے بارے میں تفصیلی بات بھی کی۔ خورجہ میں چینی مٹی کی مصنوعات کی 400 اکائیاں موجود ہیں اور یہ شہر اپنے فنِ کوزہ گری کی نیلی دلکش مصنوعات کی برآمدات کے باعث پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔

اپنی اس مختصر آمد کے دوران بھی ڈاکٹر کلام نے ویدیہ یکیہ دت شرما آیوروید مہاودیالیہ، خورجہ کے طلباً اور معالجوں سے خطاب کیا۔ خورجہ میں ان کی تشریف آوری کے موقع پر قصبے کی پوری آبادی اپنے کام دھندے چھوڑ کر اس عظیم انسان کی ایک جھلک پانے کے لیے اُمڈ پڑی تھی۔ ڈاکٹر کلام مزید ایک بار میرے گھر 17 دسمبر 2012 کو میرے والدِ محترم کے انتقال پر

پڑھنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ والدِ ماجد چند روز قبل تریاسی برس کی عمر میں رحلت فرما گئے تھے۔ وہ میری والدہ محترمہ سے ملے اور اپنے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ ہماری غم کی گھڑیوں میں میری فیملی کے افراد سے مل کر انھوں نے جس خلوص واپنائیت کا اظہار کیا وہ میں کبھی بھی بھول نہیں سکتا ہوں۔

ان کی توجہ کا محور ہمیشہ نوجوان طبقہ ہوتا تھا جو کہ ہمارے ملک کا ایک اہم اثاثہ ہے۔ احمد آباد میں سوامی وویکانند کی 150 ویں سالگرہ کے جشن کے موقع پر نوجوانوں کی کنوینشن کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 2020 تک ترقی یافتہ ملک بننے کی ہماری جستجو میں ملک کے روشن ذہن نوجوان ایک اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔

انھیں بھروسہ تھا کہ نوجوانوں میں مایوسی اور افسردگی کے احساسات تیزی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ ایک ترقی یافتہ ہندوستان میں جینا چاہتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے جہد کی آرزو رکھتے ہیں۔ انھیں اعتبار ہے کہ وہ ''یہ کر سکتے ہیں۔''

اس زمانے میں ڈاکٹر کلام نے آئی آئی ایم احمد آباد، شیلانگ اور اندور، آئی آئی ٹی کھڑگ پور، آئی آئی ٹی حیدرآباد، بی ایچ یو، انا یونیورسٹی اور پنت اگریکلچر یونیورسٹی میں کلاسیں لیں۔

مارچ 2012 میں شری اکھلیش یادو اتر پردیش کے پہلے سب سے نوجوان وزیر اعلیٰ بن گئے۔ انھوں نے ڈاکٹر کلام کو ریاست کی ترقی کے لیے ایک وژن پیش کرنے کے لیے مدعو کیا۔ اور 26 مئی 2012 کو لکھنؤ میں، سرکردہ انگریزی اخبار ''دی ہندوستان ٹائمز'' کی معاونت کے ساتھ ایک بڑے جلسے کا انعقاد کیا۔ اپنے خطاب کی شروعات ہی میں ڈاکٹر کلام نے کہا کہ اتر پردیش ملک میں دوسری سب سے بڑی معیشت رہی ہے اور یہ ملک کے ہر پانچویں نوجوان کی رہائش گاہ ہے۔ انھوں نے موجودہ فی کس آمدنی (پر کیپیٹا انکم) 26,000 روپے سے بڑھا کر 1,00000 روپے کرنے کے لیے اپنا ایک پریزینٹیشن پیش کیا۔ انکا ایک مشورہ یہ تھا کہ اتر پردیش کا ایک نقشہ برائے ہنرمندی تیار کیا جائے۔ ڈاکٹر کلام نے کہا کہ اتر پردیش وہ سرزمین ہے جہاں صدیوں سے مختلف اقسام کے ہنر پروان چڑھے ہیں۔ بھدوہی کے قالین، مرادآباد کی پیتل کی اشیاء، فیروز آباد کے شیشے کے مصنوعات، ملیح آباد کے آم سے بننے والی اشیائے خورد و نوش

،میرٹھ کی قینچیاں، علی گڑھ کے تالے، خورجہ کی چینی مٹی کی چیزیں، کانپور کے چمڑے کے کام اور لکھنؤ کی چکن کاری تاریخی اعتبار سے مشہورِ عالم صنعتیں ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ دنیا بھر میں پائے جانے والے ہر 100 پیشہ ورانہ مہارت کے کاموں میں سے 8 راست طور پر صرف اسی ریاست سے معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ سامعین سے انھوں نے کہا کہ ریاست میں ان بنیادی قابلیتوں کی نقشہ کاری کی بدولت ریاست کی تیز تر ترقی عمل میں آئے گی۔

10 مارچ 2012 کو جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کے دسویں جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر وہ مہمانِ خصوصی تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر کی شروعات جناب حکیم عبدالحمید مرحوم کے حوالے سے کی جو یونانی طبیب اور ہمدرد یونیورسٹی کے بانی تھے: ''میں نے اپنی منزل تن تنہا ہی معین کی تھی، لیکن لوگ میرے ہمراہ آتے گئے اور ایک کارواں بن گیا۔'' انھوں نے کہا کہ یونیورسٹی پہلے ہی دواسازی، نرسنگ، انتظامیہ اور کمپیوٹر سائنس میں سبقت حاصل کر چکی ہے اور ایک اسپتال کے قیام کے ساتھ جدید طبی تعلیم کا پھیلاؤ شروع کر چکی ہے۔ انھوں نے وہاں کے اساتذہ اور طالب علموں سے تحقیق کے میدان میں بالخصوص بایو سائنس میں، سب سے زیادہ توجہ مرکوز کرنے کو کہا۔

اس بیچ، ڈاکٹر کلام فعال سیاست سے پوری طرح کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔ لیکن جون 2012 میں جب ہندوستان کے تیرہویں صدر کا انتخاب ہونے والا تھا تو ایک بار پھر سے انھیں راشٹر پتی بھون میں واپسی کا لالچ دینے کی سعی کی گئی۔ سماجوادی پارٹی کے رہنما شری ملائم سنگھ یادو اور ترنمول کانگریس کی سربراہ محترمہ ممتا بنرجی نئی دہلی میں ان کی رہائش گاہ پر ان سے ملے اور انہیں صدر کا منصب دوبارہ تفویض کیے جانے کی بات کہنے لگے۔ انہوں ے ڈاکٹر کلام سے ان کے امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑنے کی درخواست کی۔ انھیں نے یہ بیان نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں بھی دیا۔ برسرِ اقتدار یو پی اے اور این ڈی اے نے اس وقت تک اپنے امیدواروں کا اعلان نہیں کیا تھا۔ شری ایل کے اڈوانی نے بھی ڈاکٹر کلام سے بات کی۔ ڈاکٹر کلام دوبارہ عہدۂ صدارت میں آسکتے ہیں، اس امکان کے احساس ہی سے ملک کے نوجوانوں میں بشاشت کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔ کئی لوگوں نے اپنی رائیوں کا اظہار شروع کر دیا کہ وہ انھیں پھر سے راشٹر پتی دیکھنا

چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر کلام اس تجویز کو قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔18 جون 2012 کو انھوں نے ایک بیانیہ جاری کیا،''میں نے اس معاملے کی کُلیت پر غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ 2012 کا صدارتی انتخاب نہیں لڑوں گا۔''یو پی اے کے امیدوار شری پرنب مکھرجی اور این ڈی اے کے امیدوار شری پی اے سنگما کے بیچ الیکشن ہوا۔شری پرنب مکھرجی تیرہویں صدر ہند چنے گئے اور 25 جولائی 2012 کو انھیں 'عہد' دلایا گیا۔

اس وقت کے گجرات کے وزیر اعلیٰ شری نریندر مودی کی دعوت پر ڈاکٹر کلام کئی تقریبات میں شرکت کرنے کے لیے ریاست میں گئے۔جون 2013 میں انھیں ایک اجتماع میں ''حکومت اور کاروبار کیسے ہندوستانی نوجوانوں کو وہ مواقع فراہم کرائیں کہ جن کے وہ اہل ہوں۔'' جیسے موضوع پر خطاب اور مباحثہ کرنے کے لیے انھیں مدعو کیا گیا۔یہ اجتماع 29 جون 2013 کو احمد آباد میں ''سٹیزنس فار اکاؤنٹیبل گورننس''(جواب دہ حکمرانی کے شہریوں کی انجمن) نے منعقد کرایا تھا۔

اس اجتماع گاہ پر ڈاکٹر کلام نے ملک بھر سے آئے ہوئے نوجوانوں اور لیڈروں کی بڑی بھیڑ کے سامنے پُر جوش انداز میں تقریر کی۔جب وہ تقریر کر رہے تھے تو شری نریندر مودی وہاں موجود تھے۔انھوں نے مجمع سے کہا کہ 'ہندوستان کا 400 ملین کی تعداد پر بنی مضبوط متوسط طبقہ اپنی قوتِ خرید کی دَم سے اپنے آپ میں ایک جہان ہے۔صارفین کی بڑی تعداد کی بنیاد پر کثیر القومی کمپنیاں ہندوستان آنا پسند کریں گی۔'

اگست 2013 میں حیدر آباد کی ریسرچ سینٹر عمارت کی 'سلور جوبلی تقریبات' کے موقع پر، ڈاکٹر کلام نے سائنسدانوں کے بڑے مجمع کو انسٹی ٹیوشن کے لیے ایک 'گولڈن جوبلی مشن' دیا۔ 1980 کے دہے میں اس انسٹی ٹیوٹ کے بانی مبانی ہونے کی بنیاد پر وہ ایک گھنٹے تک طیر برقیات میں نینو بائیو انفو اِکو ٹکنالوجیوں کے عملِ اتصال کے بابت سائنسدانوں کو بہت سی گُر کی باتیں بتاتے رہے۔

ڈاکٹر کلام نے گجرات کے سارنگ پور میں مقیم پرمکھ سوامی جی سے ملاقات کی جو ان دنوں بیمار

تھے۔انھوں نے سادھوؤں،بھکشوؤں اور طالب علموں کے مجمع سے وہاں خطاب بھی کیا۔

ڈاکٹر کلام سے میری آخری ملاقات

18 جولائی 2015 کو عید الفطر کا دن تھا،ڈاکٹر کلام حسبِ معمول نئی دہلی میں نہیں تھے۔رمضان کے دوران،میں ان کی قیام گاہ پر ملنے گیا تھا۔میں انھیں عید کے لیے مبارکباد دینا چاہتا تھا لیکن بات نہیں ہو سکی،کیونکہ وہ مدُرائی تمل ناڈو میں مختلف پروگراموں میں مصروف تھے۔ان کے عہدِ صدارت میں نمازِ عید وہ راشٹرپتی بھون کی مسجد میں ادا کیا کرتے تھے اور ہمیشہ میں ان کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

جب وہ نئی دہلی واپس لوٹ آئے تو میں ان سے ملنا چاہتا تھا۔24 جولائی کو 3:00 بجے دوپہر میں،ان کے اے پی ایس دھن شیام شرما کا فون آیا کہ ڈاکٹر کلام مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔میں فوراً 10،راجاجی مارگ پہنچا۔اور سیدھا پہلی منزل میں واقع ان کی مطالعہ گاہ میں چلا گیا۔جہاں وہ دھن شیام کے ساتھ اپنے آئندہ آئی آئی ایم شیلانگ میں 27 جولائی کو طے شدہ لیکچر کی تیاری سے متعلق کام کر رہے تھے۔جب میں ان کے قریب بیٹھ گیا تو دھن شیام کسی کام سے باہر چلے گئے۔تب میری ان کے ساتھ راست بات چیت ہوئی،جو چالیس منٹ تک چلتی رہی۔انھوں نے رجسٹرار جنرل آف نیوز پیپرس آف انڈیا کے طور پر میری حالیہ پوسٹنگ،حکومت کی سرگرمیوں،پارلیمنٹ میں تعطل کی فضا کے ساتھ،میرے ذاتی معاملات مثلاً میری والدہ صاحبہ کی خیر و عافیت سے متعلق،جو وہ مجھ سے 2012 میں میرے والد کی رحلت کے بعد سے ہمیشہ پوچھا کرتے تھے،تفصیل سے باتیں کیں۔انھوں نے مجھ سے کہا کہ عید کیسی رہی اور کہا،"ہمیشہ کی طرح تم اپنے آبائی گھر خورجہ گئے ہو گے۔" انھوں نے کہا کہ یہ اچھی بات ہے کہ تم ہمیشہ اپنے آبائی وطن جا کر عید مناتے ہو۔انھوں نے مجھے بتایا کہ ان کے بڑے بھائی اس سال اب ننیانوے برس کے ہو گئے ہیں۔انھوں نے رمضان میں پورے تیسوں دن رامیسورم کی مسجد میں کنجی (مخصوص علاقائی پکوان) کی تقسیم کا اہتمام کیا تھا۔انھوں نے کہا کہ وہ اگلے سال اپنے بھائی کے سو سال پورا ہونے کا جشن منائیں گے اور یہ کہ انھوں نے اپنے ناتی پوتوں کو اس موقع پر رامیسورم میں ایک بڑی تقریب کی تیاری کرنے کو کہا ہے۔

میں نے پایا کہ وہ ان دنوں پارلیمنٹ میں لاعملی اور تعطل کی فضا سے بڑے متفکر تھے۔ انھوں نے کہا کہ ملک ترقی نہیں کر سکے گا اگر اراکینِ پارلیمنٹ بحث و مباحثہ اور قانون سازی نہیں کریں گے۔ جمہوریت میں مسائل پر بات چیت اور بحث ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے پارلیمنٹ سے بہتر کوئی اور فورم نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا، ''نا اتفاقی بحث کا ایک حصہ ہے۔'' انھوں نے مزید اپنی رائے ظاہر کی کہ ''وزیر اعظم نریندر مودی ایک فعال شخص ہیں، لہٰذا انھیں سرگرم عمل رہنے دینا چاہیے۔''

اس کے بعد انھیں نے اپنے پرسنل سکریٹری، شری آر کے پرساد سے فون پر بات کی، جو اس وقت گراؤنڈ فلور کے آفس میں موجود تھے اور کہا کہ ''افسرِ اعلیٰ یہاں موجود ہیں۔ کاغذات لے آؤ۔'' یہ ان کا خلوص اور اعتماد تھا کہ وہ میڈیا سے متعلق کوئی بھی بات یا عوامی اہمیت کے دوسرے معاملات پر حتمی فیصلہ لینے سے پہلے مجھ سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ یہاں اس وقت وہ آؤٹ لُک میگزین کی ممبئی بلاسٹ کیس میں مجرم کی سزائے موت کی ناگزیریت سے متعلق ان سے انٹرویو کرنے کی درخواست کا حوالہ دے رہے تھے۔ میں نے مشورہ دیا، جس پر وہ فوراً رضامند ہو گئے، کہ انھیں کوئی انٹرویو یا اس موضوع پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ معاملہ انھوں نے ڈیل نہیں کیا تھا۔ انھوں نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری آر کے پرساد اور ایچ شیری ڈون، دونوں کو ہدایت دی کہ ''آؤٹ لُک'' کو اس بارے میں فوراً اطلاع کر دیں۔ انھوں نے آؤٹ لُک کو یہ بھی بتانے کو کہا کہ ان کے سزائے موت سے متعلق خیالات پہلے سے ہی اچھی طرح واضح ہیں، وہ اگر چاہیں تو ان کی کتاب ''ٹرننگ پوائنٹ'' سے لے سکتے ہیں۔ اُن چالیس منٹوں میں جو ہم نے ایک ساتھ گزارے، اُن میں کسی قسم کی تھکاوٹ یا خرابیٔ صحت کے آثار مجھے دکھائی نہیں دیے۔

میں نے ان سے اجازت لی اور نیچے باہری دروازے کے قریب سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ میں ان کے اسٹاف سے بات کرتے ہوئے، وہیں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے تبھی انھیں سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے ریمارک کیا، ''ابھی آپ یہیں ہیں۔'' میں نے یوں جواب دیا، ''سر۔ یہ لوگ مجھے مل گئے۔ اس لیے کچھ دیر یہاں رک گیا۔'' وہ مسکرائے اور انھوں نے جواب دیا، ''اچھا۔'' انھوں نے اپنے پرسنل سکریٹری کو دوبارہ 'آؤٹ لُک' سے متعلق اپنی ہدایت دہرائی۔

ہم ایک ساتھ باہر نکل آئے، کیونکہ وہ چار بجے، جولائی کی تپتی دھوپ میں لان میں ٹہلنے کے لیے جا رہے تھے۔

میں سراسیمہ ہوا، جب میں نے دیکھا کہ میری کار ٹھیک گیٹ کے سامنے پیش راستے پر کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے ڈرائیور کو گھور کر کار تھوڑی دوری پر لے جانے کا اشارہ کیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ جب وہ کھڑے ہوں، اس وقت میں کار میں بیٹھوں۔ وہ میری بے چینی کو بھانپ گئے اور لان کی طرف اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ مجھے آخری بار ''گڈ بائے'' کہتے ہوئے مُڑ گئے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ واقعی میرے لیے ان کا آخری دیدار تھا۔۔۔ الوداعیہ لمحہ۔

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے میں شکر ادا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا کہ جس نے مجھے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی استطاعت عطا فرمائی۔

میں اپنی والدۂ محترمہ روشن آرا بیگم، اہلیہ شہناز خان، بیٹوں شہوار، شہباز، شہریار اور بہو زیبا کا مشکور ہوں کہ اس کتاب کے لکھنے کے دوران، ان سب نے میرا حوصلہ بڑھایا اور تعاون کیا۔ میں انتہائی ممنون و مشکور ہوں ڈاکٹر کلام کے مشفق بڑے بھائی محترمی اے پی جے ایم مرایکا ئیر کا جنھوں نے اس کتاب کے لیے 'ابتدائیہ' لکھا۔ 5 نومبر 2016 کو وہ سو برس کی عمر کے ہو چکے ہیں۔ پروردگار ان کی عمر دراز کرے، انھیں تندرستی اور خوشحالی سے نوازے۔ (آمین)

میں ڈاکٹر مظہر محمود کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کے ترجمے اور اشاعت کے سلسلے میں مجھے مفید مشورے دیے اور مسودے پر نظرِ ثانی کا اہم کام سرانجام دیا۔ میں عزیزم سید وجاہت مظہر کی ستائش کرتا ہوں جنھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے معیاری ترجمہ کیا۔

میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائریکٹر پروفیسر ارتضیٰ کریم کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی جلد اور معیاری اشاعت کی منظوری فرمائی۔ میں پرنسپل پبلی کیشن آفیسر جناب ڈاکٹر شمس اقبال اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر محترمہ ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی کا

بھی ممنون ہوں جنہوں نے خصوصی توجہ کے ساتھ اشاعت وطباعت کی کارروائی سرانجام دی، جس کے باعث معینہ وقت پر یہ کتاب منظرِ عام پر آسکی۔

ایس۔ایم۔خان

بھی ممنون ہوں جنہوں نے خصوصی توجہ کے ساتھ اشاعت وطباعت کی کارروائی سرانجام دی، جس کے باعث معینہ وقت پر یہ کتاب منظرِ عام پر آسکی۔

ایس۔ایم۔خان

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام بنیادی طور پر ایک معلم اور سائنس داں تھے اور صدر جمہوریۂ ہند کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے بھی انھوں نے ہمیشہ ایک معلم کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس ملک کے عوام، بالخصوص نوجوان نسل کی امیدوں اور آرزوؤں کی علامت بن گئے تھے۔ انھوں نے اپنی خواہش کے عین مطابق طلبہ کو درس دیتے ہوئے اور 2020 تک ترقی یافتہ ہندوستان کے اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے ہی اپنی آخری سانسیں لیں۔ ڈاکٹر کلام 27 جولائی 2015 کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے مگر وہ لوگوں کے تصور میں خصوصاً ملک کے نوجوانوں کے دلوں میں آج بھی موجود ہیں۔ خلائی اور میزائل سائنسدانوں کی بڑی تعداد کے لیے وہ آج بھی ایک مثالی شخصیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر کلام ایک مثالی معلم اور سائنسداں ہی نہیں تھے بلکہ ان لوگوں کے لیے بھی مثالی حیثیت رکھتے ہیں جن کی دلچسپی صاف ستھری سیاست میں ہے، جو سیاست کو عوام کی خدمت سے عبارت سمجھتے ہیں نہ کہ ذاتی مفادات کی حصولیابی کا ذریعہ۔ ڈاکٹر کلام پر یہ کتاب جناب ایس ایم خان نے لکھی ہے جو ہندوستان کے گیارہویں صدر جمہوریۂ ہند ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے پریس سکریٹری تھے۔ ڈاکٹر ایس ایم خان رجسٹرار آف نیوز پیپرس کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں اس سے پہلے وہ دوردرشن کے سربراہ کی حیثیت سے بھی کام کر چکے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ سید وجاہت مظہر نے کیا ہے۔

ISBN 978-93-5160-199-9

9789351601999

NCPUL
New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025

₹ 125.00